احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اگست 2022ء

شانِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و روحانی خصوصی خطاب

یا حسین علیہ السلام

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

پانی کا بحران اور ناگزیر منصوبہ بندی

ہجرتِ مدینہ اور جذبہ مواخات

14 اگست یومِ آزادی..... یومِ احتساب

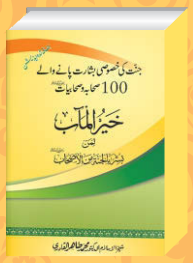

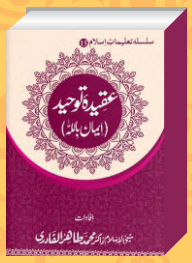

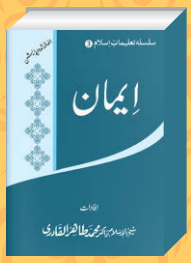

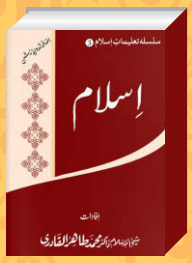

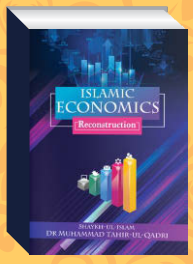

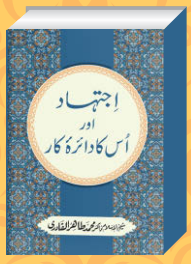

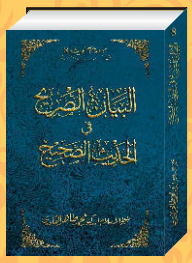

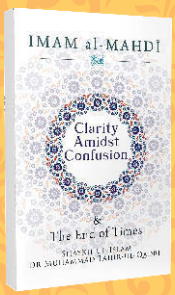

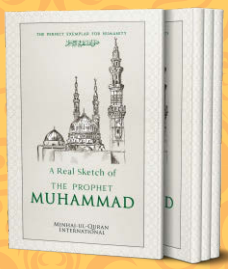

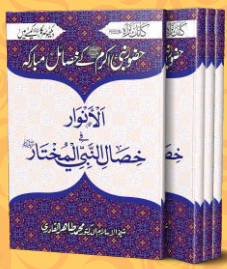

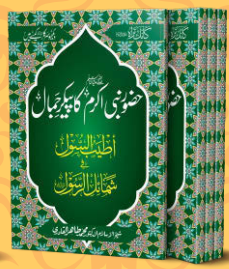

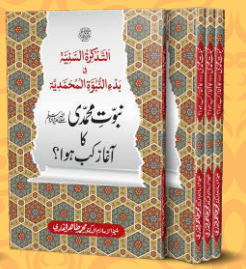

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 615 سے زائد کتب دستیاب ہیں

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 36 / شمارہ: 7 / محرم الحرام ۱۴۴۴ھ / اگست 2022ء

بفیضانِ نظر
حضرت سیدنا قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خانؔ ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسنِ ترتیب

اداریہ: 14 اگست: یومِ آزادی اور نظریۂ پاکستان	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: شانِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
الفقہ: سرمایہ کاری کی مستحسن صورت: بیعِ مضاربہ	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	13
حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسین	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	16
ہجرتِ مدینہ اور جذبۂ مواخات	محمد فاروق رانا	21
یومِ آزادی۔۔۔ یومِ احتساب	ڈاکٹر صفدر محمود	26
پانی کا بحران اور ناگزیر منصوبہ بندی	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	28
شیخ الاسلام ایک ہمہ جہت شخصیت	قاضی تجمل حسین	32
علمی انداز اور شگفتگیٔ بیاں: شیخ الاسلام کے نمایاں پہلو	جاوید ندوی	34
انسان اور جذبۂ دوستی	ڈاکٹر نعیم مشتاق	36
سوشل میڈیا کی اخلاقیات	نوراللہ صدیقی	41
مولائے رومؒ، حکیم الامتؒ اور شیخ الاسلام (کانفرنس)	رپورٹ: قاضی فیض الاسلام	44

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ / رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے — سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

ہے تو ہی مجھے پالنے والا مرے خالق!
ہے تیرے کرم ہی کا سنبھالا مرے خالق!

صد شکر، مَیں زندہ ہوں ترے حفظ و اماں میں
ہے گرد، ترے مہر کا ہالہ مرے خالق!

ہوں عبد ترا، سارے شرف ہیں اسی نسبت
کافی مجھے یہ ایک حوالہ، مرے خالق!

ہیں سہل، کڑے کوس حیاتِ گزراں کے
رہبر ہے ترے دیں کا اجالا مرے خالق!

خواہش ہے، ترے لطف کے زمزم سے ہمیشہ
لبریز رہے جاں کا پیالہ مرے خالق!

مجرم کو بھی الطاف و محبت سے نوازے
ہے ڈھب تری بخشش کا نرالا مرے خالق!

اس مہر کے قابل کہاں اعمال تھے میرے
تُو نے مجھے جس مہر سے پالا، مرے خالق!

یہ زیست ہے روشن ترے الطاف سے یوں ہی
ہو کنجِ لحد میں بھی اجالا مرے خالق!

﴿پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

پھیلی ہیں اُن کے نور کی ہر سُو تجلّیات
بخشی گئی ہے جن کے تصدّق ہمیں حیات

روشن ہیں جن کے نور سے مہر و مہ و نجوم
''وہ شاہکارِ حسن وہ مقصودِ کائنات''

بڑھ کر ہر اک سے شان ہے میرے رسولؐ کی
ارفع ہیں ہر لحاظ سے اُن کی ہمہ صِفات

فائز ہیں آپؐ منصبِ خُلقِ عظیم پر
شاہد کتابِ حق کی ہیں آیاتِ بیّنات

جلوہ فروز دہر میں ہوتے اگر نہ آپؐ
گلزارِ ہست و بود کو ملتا کہاں ثبات

دن شہرِ مصطفیٰؐ کے ہیں صد رشکِ آفتاب
رشکِ مہ و نجوم ہے طیبہ کی رات رات

گر وقتِ نزع آپؐ کا دیدار ہو نصیب
سو بار ایسی موت پر قربان ہو حیات

دنیا میں بھی ہیں درد کا درماں مرے حضورؐ
ہوگی انہی کے فیض سے عقبیٰ میں بھی نجات

میں بھی حضورؐ آپ کے روضے کو دیکھ لوں
مجھ پر بھی ہو خدا کے لیے نگہِ التفات

جاگوں تو میرے لب پہ ہو شاہدؔ درودِ پاک
سوؤں تو میرا دل بھی پڑھے مصطفیٰؐ کی نعت

﴿محمد سلیم شاہد﴾

اداریہ

14 اگست یوم آزادی اور نظریہ پاکستان

چیف ایڈیٹر
نوراللہ صدیقی

پاکستان 14 اگست 2022ء کو اپنا 75 واں یوم آزادی منا رہا ہے۔ پاکستان جن عظیم مقاصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا، ان میں سرِفہرست اسلام کے زریں اصولوں کو نافذ کر کے ایک ماڈل اسلامی ریاست تشکیل دینا تھا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تقاریر اور خطابات کو ملاحظہ کیا جائے تو ہمیں وہ ہر جگہ قرآن وسنت سے استفادہ کرتے اور رہنمائی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی تحریک، ملک اور ادارہ اپنی مشن سٹیٹمنٹ پر چلتا اور پھلتا پھولتا ہے، یہی مشن سٹیٹمنٹ اس کی نظریاتی شناخت ہوتی ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اسلام ایک ایسا ماڈرن ضابطۂ حیات ہے جس نے قیامت تک کیلئے انسانیت کو راہ نمائی مہیا کرنی ہے مگر شومئی قسمت قیامِ پاکستان کے فوری بعد پے در پے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ پاکستان کی نظریاتی بنیادیں دھندلانے لگیں۔ ان میں سرفہرست بانی پاکستان کی ناگہانی وفات اور پھر یکے بعد دیگرے ان کے قابلِ اعتماد ساتھیوں کی حادثاتی اموات ہیں اور پھر اس کے بعد جس کی لاٹھی اس کے بھینس کا ایک ایسا سلسلہ چلا کہ وہ آج تک تھمنے کا نام نہیں لے رہا۔

بانی پاکستان نے پاکستان کے لئے پارلیمانی جمہوری نظام منتخب فرمایا۔ آپ نے اس بات کو آخری سانس تک یقینی بنائے رکھا کہ جس کا جو کام ہے وہ اس پر ''فوکسڈ'' ہو۔ انہوں نے میرٹ اور قانون کی بالادستی کو خوشحال پاکستان کے لئے ایک زریں اصول قرار دیا مگر ان کی وفات کے بعد نہ صرف یہ سارے اصول پسِ پشت ڈال دیئے گئے بلکہ وہ تمام خرافات جن سے بچنے کے لئے بانی پاکستان نے ہر موقع پر احکامات صادر فرمائے، انہیں اختیار کر لیا گیا اور یوں پاکستان اپنی نظریاتی بنیادوں سے ہٹتے ہٹتے کوسوں دور چلا گیا۔

پاکستان کے اس نظریاتی تشخص پر پڑنے والی گرد کو ہٹانے کے لئے مختلف اوقات میں مختلف شخصیات نے حب الوطنی پر مبنی اپنا قومی و نظریاتی کردار ادا کیا۔ ان شخصیات میں تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نمایاں نظر آتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے ظلم اور استحصال کے خاتمے اور آئین کی ہر شق کی اس کی روح کے مطابق نفاذ کے لئے ایک پرامن شاندار عوامی مہم کا آغاز کیا جس کا مقصد پاکستان کو آئین کے قالب میں ڈھالنا اور کمزور طبقات کی امپاورمنٹ تھا۔ شیخ الاسلام نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ اور حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کی سیاسی، سماجی اور معاشی فکر کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا اور پاکستان کو قائداعظم کا پاکستان بنانے کے لئے تاریخ ساز جدوجہد کی۔ شیخ الاسلام کی اس جدوجہد کو سٹیٹس کو کی حامی قوتوں نے اپنے لئے خطرہ سمجھا اور اسے دبانے کے لئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ تاہم جب بھی نظام کی تبدیلی کی بات ہوتی رہے گی، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی جدوجہد کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔ آپ نے بیداریٔ شعور کی ایک ایسی ملک گیر مہم چلائی کہ آج بھی اُن افکار کی روشنی ہر سو پھیل رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے اور ایک دن پاکستان سے جہالت اور گمراہی کے اندھیرے روشنی میں ضرور بدل جائیں گے۔

اس وقت نوجوان نسل کو پاکستان کے قیام اور اس کے نظریاتی تشخص سے بہرہ مند اور بہرہ ور کرنا ایک بہت بڑا چیلنج

ہے۔ جو قومیں اپنے نظریاتی تشخص کو مٹا بیٹھتی ہیں، بتدریج ان کا وجود بھی مٹ جاتا ہے۔ اس جذبہ آزادی کو علامہ محمد اقبال کے خطبۂ آلہ آباد کی صورت میں **1930**ء میں ایک ایسا نظریہ ملا جو قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے **28** مئی **1937**ء میں اپنے ایک خط میں ایک فکر انگیز اصول دیا کہ مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل اسلامی شریعتِ کے نفاذ میں موجود ہے لیکن شریعت اسلام کا نفاذ ایک آزاد مسلم ریاست کے بغیر ناممکن ہے۔ حکیم الامت کے اس ایک زریں جملے نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے قلب و روح میں ایک بجلی دوڑا دی اور اسی خط کے تناظر میں مارچ **1940**ء میں لاہور میں ایک تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں پہلی بار مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا گیا۔

پاکستان کے قیام کا مقصد اور غرض و غایت اسلام کے زریں اصولوں کا عملی نفاذ ہے۔ ہم نے اغیار کے نظاموں کو سنبھالنے اور چلانے کے لئے **75** سال صرف کر دیئے اور ہمارا دائرے کا یہ سفر ہنوز جاری ہے۔ جب تک ذمہ داران حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی فکر کے مطابق نہیں چلیں گے تب تک ہم بحرانوں کی زد پر رہیں گے۔ **75** سال قبل بھی آزادی کی جدوجہد میں ایک مرکزی نکتہ تھا کہ الگ وطن میں ہم کسی کے معاشی غلام نہیں ہوں گے مگر افسوس کہ ابھی تحریک پاکستان کا معاشی خودانحصاری والا ایجنڈا نامکمل ہے۔ نہ صرف یہ ایجنڈا نامکمل ہے بلکہ ہم آج ماضی کی نسبت کہیں زیادہ اغیار کی معاشی غلامی کی زد پر ہیں۔

14 اگست، آزادی اور جشن آزادی کا مفہوم کیا ہے؟ عام لوگ بالخصوص نئی نسل اس کے نظریاتی پس منظر سے بے بہرہ ہو چکی ہے۔ پڑھے لکھے احباب بھی اس نظریاتی تشخص کے بارے میں فکری اعتبار سے دھندلا چکے ہیں۔ **14** اگست کے دن یوم آزادی کے بینر لگتے ہیں، پرچم کشائی کی تقاریب منعقد ہوتی ہیں۔ شہداء کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے اور ہر یوم آزادی پر نئے نئے ترانے تیار کر کے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن آزادی حاصل کرنے کی غرض و غایت پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ ہم نے اپنی ہر خوشی اور غمی کو رسومات کی ادائیگی تک محدود کر دیا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے عام شہری تعلیم، صحت اور انصاف کی سہولتوں سے محروم تھا، اُسے اپنے مسائل کے حل کے لئے آواز اٹھانے کی آزادی نہیں تھی، اُسے روزگار میسر نہیں تھا، اُسے کاروباری معاملات میں بھی امتیازی رویوں کا سامنا تھا اور مسلمانوں سے زبان، مذہب اور کلچر کی بنیاد پر نفرت کی جاتی تھی۔ یہ وہ سارے تعصّبات تھے جن سے نجات کے لئے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں اور ہماری ماؤں، بہنوں نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ اگر ہم ان پر غور کریں تو کیا یہ مقاصد ہم نے حاصل کر لئے۔۔۔؟ کیا آج ہر غریب کے بچے کو معیاری تعلیم کی سہولت میسر ہے۔۔۔؟ کیا ہر غریب آدمی کو صحت اور روزگار کی مساوی سہولت میسر ہے۔۔۔؟ کیا اپنے مسائل پر بے دھڑک آواز اٹھائی جا سکتی ہے۔۔۔؟ جواب یقیناً نفی میں آئے گا۔ تو یہ مقاصد کب حاصل ہوں گے۔۔۔؟ اصل یہ سوال یہ جس پر ہر شخص کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے **13** اپریل کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ ہم ایک ایسا علاقہ چاہتے ہیں، جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں''۔ پاکستان کرۂ ارض کا وہ واحد ملک ہے جس کی بنیاد ایک نظریہ پر رکھی گئی ہے اور وہ نظریہ اسلام ہے۔

شانِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام

نماز خالصتاً اللہ کیلئے اس میں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. (الرحمٰن، ۵۵: ۱۹۔۲۳)

’’اسی نے دو سمندر رواں کیے جو باہم مل جاتے ہیں۔ اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے وہ (اپنی اپنی) حد سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کِن کِن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔ اُن دونوں (سمندروں) سے موتی (جس کی جھلک سبز ہوتی ہے) اور مَرجان (جس کی رنگت سرخ ہوتی ہے) نکلتے ہیں۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کِن کِن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔‘‘

اللہ کا کلام قرآن مجید چونکہ لامحدود ذات کا کلام ہے، اس لیے اس کلام کے معانی و معارف بھی لامحدود ہیں، اس کلام کو صرف ایک معنی پر محصور نہیں کرتے۔ امام فخرالدین رازیؒ جیسے اکابر مفسرین ایک ہی آیت کے متعدد معانی، مطالب اور معارف بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ سب معارف اسی آیت کے اندر مخفی ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ہیرے سے طرح طرح کی شعاعیں نکلتی ہیں بلاتشبیہ و بلامثال اللہ کے کلام قرآن مجید سے بھی معانی اور مطالب کی لاتعداد شعاعیں نکلتی ہیں۔

اسی تناظر میں جب ہم مذکور آیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اِن آیات میں بھی معانی و معارف کا ایک جہاں آباد نظر آتا ہے۔ ان آیات کے اِن ہی معانی و معارف میں سے ایک معنٰی کی روایت امام جلال الدین سیوطی نے الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور نے کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مرج البحرین (دو سمندروں کا ملنا) میں ایک سمندر سے مراد بحرِ ولایتِ علی علیہ السلام ہے اور دوسرے سمندر سے مراد بحرِ طہارت و عصمتِ فاطمہ علیہا السلام ہے۔ یعنی ولایتِ علی علیہ السلام اور عصمتِ و طہارتِ فاطمہ علیہا السلام کے دو سمندر آپس میں مل گئے۔ **بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ** سے مراد ان کے درمیان ان کے حقوق کی حدود مقرر کرنے والا پردۂ نکاح ہے اور **اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَان** سے مراد حسنین کریمین علیہما السلام ہیں۔

حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کے درمیان ہونے والا یہ نکاح عام مسلمانوں کے نکاحوں جیسا نہیں، اس لیے کہ اگر یہی ہو تو یہ پردۂ نکاح تو ہر میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے اور اس صورت میں اِس نکاح کی انفرادیت نہیں رہتی۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کے درمیان جو پردۂ نکاح ہے، اس کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ نکاح عرش پر پہلے منعقد ہوا اور زمین پر بعد میں پڑھا گیا۔

☆ **خطاب نمبر: GC-62، تاریخ: 13 مارچ 2003ء، بمقام: جھنگ**

حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے نکاح کی انفرادیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عام مومنین کے نکاح سے منفرد اور مختلف ہونے کا اظہار حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله أمرنی أن أزوج فاطمة من علی۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔'' (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۵۶، رقم: ۱۰۳۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

یا أنس! أ تدری ما جاء نی به جبریل من صاحب العرش؟ قال: إن الله أمرنی أن أزواج فاطمة من علی۔

(حسینی نے 'البیان والتعریف (۲: ۳۰۱، رقم: ۱۸۰۳)

''اے انس! کیا تم جانتے ہو کہ جبرئیل میرے پاس صاحبِ عرش کا کیا پیغام لائے ہیں؟ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت کچھ یوں ہے کہ

بینما رسول الله ﷺ فی المسجد، إذ قال ﷺ لعلی: هذا جبریل یخبرنی أن الله عزوجل زوجك فاطمة، و أشهد علی تزویجك أربعین ألف ملك، و أوحی إلی شجر ة طوبی أن انثری علیهم الدر والیاقوت، فنثرت علیهم الدر و الیاقوت، فابتدرت إلیه الحور العین یلتقطن من أطباق الدر و الیاقوت، فهم یتهادونه بینهم إلی یوم القیامة۔

(محبّ طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذَوِی القربیٰ: ۷۲)

''رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ جبرئیل علیہ السلام مجھے بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ سے تمہاری شادی کر دی ہے اور تمہارے نکاح پر چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ کے طور پر مجلسِ نکاح میں شریک کیا گیا اور شجر ہائے طوبیٰ سے فرمایا: ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کر۔ پھر دلکش آنکھوں والی حوریں اُن موتیوں اور یاقوتوں سے تھال بھرنے لگیں۔ جنہیں (تقریب نکاح میں شرکت کرنے والے) فرشتے قیامت تک ایک دوسرے کو بطورِ تحائف دیں گے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کا حسین علیہ السلام کی محبت کو اپنی محبت قرار دینا اور اِن سے غیر معمولی محبت کرنا اسی وجہ سے تھا کہ امام حسین علیہ السلام سے اسلام کو بقا ملنی تھی

پہلی حدیث میں تھا کہ اَمَرَنِی حکم دیا کہ شادی کردو۔ اس روایت میں اب تفصیل ہے کہ جبرائیل نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردی ہے۔ اس شادی میں صرف چالیس ہزار فرشتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ گویا لاتعداد ملائکہ میں سے ہر ایک کو شرکت کی اجازت نہ تھی بلکہ اعلیٰ مقام و مناصب کے حاملین چالیس ہزار ملائکہ شریک ہوئے اور وہ مجلسِ نکاح کے گواہ بنے۔ جس طرح ہم اپنی شادی بیاہ کے موقع پر مہمانانِ گرامی کی ضیافت کرتے ہیں، بلاتشبیہ و بلا مثال اللہ رب العزت نے بھی چالیس ہزار ملائکہ جو اس مجلسِ نکاح میں شریک تھے، اُن میں موتی اور یاقوت کے تحائف تقسیم فرمائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجهہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أتانی ملَكٌ، فقال: یا محمد! إن الله تعالیٰ یقرأ علیك السلام، و یقول لك: إنی قد زوجتُ فاطمة ابنتك من علیّ بن أبی طالب فی الملأ الأعلی، فزَوِّجها منه فی الأرض. (محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ۷۳)

''میرے پاس ایک فرشتہ نے آ کر کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے: میں نے آپ کی بیٹی فاطمہ کا نکاح ملاء اعلیٰ میں علی بن ابی طالب سے کر دیا ہے، پس آپ زمین پر بھی فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیں۔''

پس مرج البحرین سے مراد بحرِ ولایتِ علی رضی اللہ عنہ اور بحرِ طہارت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتۂ نکاح کے ذریعے آپس میں ملنا ہے۔

پھر اس رشتۂ نکاح کے بعد یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ کے مصداق ان میں سے ایک لُؤْلُؤُ (سبز رنگ کا موتی) اور ایک مرجان (سرخ رنگ کا موتی) نکلا۔ اللُّؤْلُؤُ سے مراد حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں۔ سبز رنگ کا اشارہ اس زہر کی طرف ہے جو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو دیا گیا اور جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ مرجان سے مراد امام حسین علیہ السلام ہیں، اس کی سرخی کا اشارہ خونِ حسین علیہ السلام کی طرف ہے جو کربلا میں بہا۔

حضور نبی اکرم ﷺ اور حسنین کریمین علیہما السلام کے باہمی رشتہ کی نوعیت

امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کا حضور نبی اکرم ﷺ سے رشتہ کیا ہے؟ عام رشتوں میں یہ رشتہ نانا نواسے کا بنتا ہے مگر آقا علیہ السلام نے اس رشتے کی نوعیت بدل دی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

كل بنى أُمٍّ يَنْتَمُوْن إلى عصبة إلا ولد فاطمة، فأنا وَلِيُّهُم، و أنا عصبتهم۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۴۴، رقم: ۲۶۳۲)

''ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے، سوائے فاطمہ کی اولاد کے۔ پس میں اُن کا ولی ہوں اور میں اُن کا نسب ہوں۔''

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ بَنِي أُنْثَى فَإِنَّ عُصْبَتَهُمْ لِأَبِيهِمْ مَا خَلَا بَنِي فَاطِمَةَ، فَإِنِّي أَنَا عُصْبَتُهُمْ وَأَنَا أَبُوهُمْ.

(اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۳/۲۳۴، الرقم: ۴۷۸۷)

''ہر عورت کی اولاد کا نسب اپنے باپ کی طرف ہوتا ہے سوائے اولادِ فاطمہ کے کیونکہ میں ہی ان کا نسب اور میں ہی ان کا باپ ہوں۔''

یعنی اب نسبِ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی نسبِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اب حسن و حسین علیہما السلام حضور ﷺ کے نواسے نہیں بلکہ بیٹے کہلائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سَبَبِي وَنَسَبِي. (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۵۳، الرقم: ۴۶۸۴)

''قیامت کے دن میرے حسب و نسب کے سواء ہر سلسلۂ نسب منقطع ہو جائے گا۔''

پس معلوم ہوا کہ ہر ایک کے نسب اور آل کو فنا ہے مگر نسبِ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آلِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فنا نہیں، اس لیے کہ نسبِ فاطمہ علیہا السلام؛ نسبِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور آلِ فاطمہ؛ آلِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

نماز میں نبی ﷺ اور آلِ نبی پر درود و سلام

یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے نماز جیسی عبادت جو خالصتاً اللہ کے لیے ہے، اس میں بھی آلِ محمد ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا۔ نماز فقط اللہ کے ذکر اور اس کے حضور بندگی کے اظہار کے لیے ہے اور اللہ کی عبادت میں کسی غیر کا ذکر بھی روا نہیں ہے۔ کسی غیر کا ذکر اگر نماز کے دوران آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا شخص، کوئی محترم ہستی، کوئی پیر طریقت، وقت کا ولی، قطب، غوث بھی آجائے اور ہم حالتِ نماز میں ادباً یا احتراماً دھیان کرکے اسے السلام علیکم کہہ دیں تو ہماری نماز ٹوٹ گئی۔ نماز سے فارغ ہوکر سلام کریں، ہاتھ چومیں، پاؤں چومیں، جو ادب چاہیں کریں مگر حالتِ نماز چونکہ عبادتِ خدا ہے، اس میں کسی اور کو سلام نہیں کرسکتے۔ اسی طرح اگر آنے والے نے سلام کیا اور وہ خواہ کتنا ہی بلند رتبہ کیوں نہ ہو، ہم حالتِ نماز میں اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتے، بعد میں دیں گے۔ یعنی حالتِ نماز عبادتِ خدا ہے اور اس دوران کسی غیر کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

نبی پر درود و سلام پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت قبول ہوگی اور نبی ﷺ پر درود و سلام تب قبول ہوگا، جب نبی ﷺ کی آل پر درود و سلام پڑھیں گے

مگر قربان جائیں اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی عظمت پر کہ وہ نماز جو نہ صرف خالصتاً اللہ کا ذکر ہے بلکہ اس کے ذکر و عبادت کا کمال اور انتہا ہے، اس نماز میں بھی اس نے حضور نبی اکرم ﷺ اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کا ذکر رکھا ہے۔ جب ہم نماز میں ہر یاد سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے، ہر رشتہ منقطع کرتے ہوئے اور ہر ایک سے منہ پھیرتے ہوئے اس کی طرف یکسو ہوجاتے ہیں، قیام اور رکوع و سجود کے بعد حالتِ تشہد میں بیٹھ کر ساری جسمانی و مالی عبادتیں اللہ کے لیے خالص کرنے کا اقرار کرتے ہیں تو اس کا حکم ہے کہ اب اگر چاہتے ہو کہ تمہاری عبادت کمال کو پہنچ جائے اور قبولیت پالے، میں تمہاری جھولی اپنی عطاؤں کی خیرات سے بھردوں تو میری عبادت کے اس کمال اور انتہاء پر میرے نبی ﷺ پر سلام پڑھو۔ عبادت میری ہے مگر سلام میرے مصطفیٰ ﷺ پر کہو۔

گویا عبادتِ خدا جب اپنے منتہائے کمال کو پہنچی اور بندہ قیام، تلاوت، رکوع و سجود اور ذکر کا پھل لینے کے لیے خدا کے دروازے پر بیٹھ گیا تو اس وقت حکم ہوا کہ اگر چاہتے ہو کہ میری عطاؤں کا دروازہ کھلے اور تمہاری جھولی میں لطف و کرم کی خیرات آئے تو میری عطا کا دروازہ کھولنے کے لیے میرے مصطفیٰ ﷺ پر سلام پڑھو۔ پس بندہ **السلام علیك ایها النبی** کے الفاظ کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرتا ہے۔

بعض لوگ حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھنے کے حوالے سے بحث و تکرار کرتے ہیں اور سلام پڑھنے پر نہ جانے کون کون سے فتوے لگاتے ہیں، انھیں اتنی سی بات معلوم نہیں کہ جس نبی پر سلام پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس نبی پر سلام کے بغیر باقی عبادتیں کیسے مقبول ہوسکتی ہیں۔ **السلام علیك ایها النبی** کے بھی وہی معانی ہیں جو یا نبی **سلام علیك** کا معنی ہے۔ فقط الفاظ کا تاخر و تقدم ہے۔ ایک حرف کے معنی کا بھی فرق نہیں ہے۔ **ایها** کا معنی ''یا'' ہے۔ **السلام علیك ایها النبی** کے الفاظ کو عام لوگ **یا نبی سلام علیك، یارسول الله سلام علیك** کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے نہ صرف اپنی دوستی اور دشمنی کا معیار اہلِ بیت کو قرار دیا بلکہ اہلِ بیت سے محبت کو ایمان اور ان سے بغض کو منافقت سے تعبیر فرمایا

پس جب تک میرے نبی ﷺ پر سلام نہ پڑھو گے، نماز قبول نہیں ہوگی۔ گویا اللہ نے اپنی عبادت قبول کروانے کے لیے مصطفیٰ ﷺ پر سلام پڑھایا۔

سلام پڑھ کر کچھ لوگوں نے سمجھا کہ ہم نے کام کرلیا۔ فرمایا: نہیں، اپنی عبادت کی قبولیت کے لیے مصطفیٰ ﷺ پر صلوۃ و سلام پڑھوایا، اب مصطفیٰ ﷺ پر سلام کی قبولیت کے لیے ان کی آل پر درود پڑھو۔ پس ہم نماز میں حالتِ تشہد میں **اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم** کے الفاظ کے ذریعے محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی پر درود و سلام پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت قبول ہوگی اور نبی ﷺ پر درود و سلام تب قبول ہوگا، جب نبی ﷺ کی آل پر درود و سلام پڑھیں گے۔

حضرت ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کے آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يُصَلِّ فِيهَا عَلَيَّ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِي، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ. وَقَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ: لَوْ صَلَّيْتُ صَلَاةً لَا أُصَلِّي فِيهَا عَلَى مُحَمَّدٍ، مَا رَأَيْتُ أَنَّ صَلَاتِي تَتِمُّ.

(اخرجه الدارقطنی فی السنن، ۱/۳۵۵، الرقم: ۶-۷)

''جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں نماز پڑھوں اور اس میں حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پاک نہ پڑھوں تو میں نہیں سمجھتا کہ میری نماز کامل ہوگی۔''

ذکرِ اہلِ بیت عین ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ہے

سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی آل پر درود کو نماز میں داخل کیوں کیا، حالانکہ شریعت کا مسئلہ واضح ہے کہ غیر کو سلام کردیں یا غیر کے سلام کا جواب دیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ حضور ﷺ کی

آل پر درود و سلام پڑھنے کا حکم اللہ نے دیا اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی تو معلوم ہوا کہ اگر نبی ﷺ اور آل نبی غیر ہوتے تو نماز ٹوٹ جاتی۔ جبکہ دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ اگر دورانِ نماز نبی ﷺ اور آل نبی پر درود و سلام نہ پڑھیں تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ یہ غیر نہیں بلکہ عین مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ عین یعنی اپنے ہوئے۔ یہ اس لیے اپنے ہوئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہر رشتہ اور نسب منقطع ہوجائے گا مگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ اور نسب منقطع نہیں ہوگا کیونکہ وہ نسبِ فاطمہ علیہا السلام نہیں بلکہ نسب مصطفیٰ ﷺ ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فاطمة بَضْعَةٌ منّي، فمن أغضبها أغضبني۔

(بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۱، رقم: ۳۵۱۰)

''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں، پس جس نے اُنہیں ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا سب کچھ ہے، میری جان کا حصہ بھی ہے، جگر کا ٹکڑا بھی ہے، بدن کا ٹکڑا بھی ہے، دل بھی ہے، روح بھی ہے اور جان بھی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور آل نبی کے ذکر کو اپنی عبادت کی تھال میں رکھا اور اپنی عبادت کے جھرمٹ میں سجا کر رکھا ہے۔ جس طرح اللہ کے ذکر کو فنا نہیں، اسی طرح نبی ﷺ اور آل نبی کے ذکر کو بھی فنا نہیں۔ جن کے ذکر کو بھی فنا نہیں، اُن ہستیوں کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کریں اور بے شک اِن سے محبت پر مبنی مضبوط تعلق ہی ذریعۂ نجات ہے۔

آقا علیہ السلام نے اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کے ذکر کو عین اپنا ذکر قرار دیا، ان کی محبت کو عین اپنی محبت قرار دیا، ان کے نسب کو عین اپنا نسب قرار دیا اور ان پر درود و سلام کو عین اپنے اوپر درود و سلام بنایا۔

بغضِ اہلِ بیت منافقت ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف اپنی دوستی اور دشمنی کا معیار اہلِ بیت کو قرار دیا بلکہ اہلِ بیت سے محبت کو ایمان اور ان سے بغض کو منافقت سے تعبیر فرمایا۔

ہر ایک کے نسب اور آل کو فنا ہے مگر نسبِ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آلِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فنا نہیں، اس لیے کہ نسبِ فاطمہ علیہا السلام؛ نسبِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور آلِ فاطمہ؛ آلِ مصطفیٰ ﷺ ہے

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ: أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ، وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ.

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب: فضل فاطمۃ بنت محمد ﷺ، ۵/ ۶۹۹، الرقم: ۳۸۷۰)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہم السلام سے فرمایا: تم جس سے لڑو گے، میں اُس کے ساتھ حالت جنگ میں ہوں اور جس سے تم صلح کرنے والے ہو، میں بھی اُس سے صلح کرنے والا ہوں۔''

اس فرمان کے ذریعے آقا علیہ السلام نے اپنی دوستی اور دشمنی کا معیار اہلِ بیت کے افراد کو بنادیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

من أبغضنا أهل البيت فهو منافق۔

(احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، ۲: ۶۶۱، رقم: ۱۱۲۶)

''جس نے ہم اہلِ بیت سے بغض رکھا تو وہ منافق ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا يحبنا منافق و لا يبغضنا مؤمن۔

(ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۳۷۲، رقم: ۳۲۱۶)

''منافق شخص کبھی ہمارے ساتھ محبت نہیں کرتا اور مومن شخص کبھی ہمارے ساتھ بغض نہیں رکھتا۔''

یعنی یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص منافق ہو، اس کا دل ایمان سے محروم ہو اور وہ ہم سے محبت کرے۔ منافقت اور محبتِ اہلِ بیت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص مومن ہو اور ہم سے بغض رکھے۔ ایمان اور بغضِ اہل بیت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

أيها الناس! من أبغضنا أهل البيت حشره الله يوم القيامة يهوديا. فقلت: يا رسول الله صلى الله عليك وسلم! و إن صام و صلى؟ قال: و إن صام و صلى. (طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۲۱۲، رقم: ۴۰۰۲)

''جس نے ہم اہلِ بیت کے ساتھ بغض رکھا روزِ قیامت اُس کا حشر یہودیوں کے ساتھ ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز (بھی) پڑھے آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز (بھی) پڑھے (اِس کے باوجود دشمنِ اہل بیت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی عبادات کو ردفرما کر اسے یہودیوں کے ساتھ اٹھائے گا)۔''

دو مرتبہ **صام و صل** فرما کر اس حوالے سے ہر طرح کے مغالطے کو ختم کردیا اور واضح کردیا کہ میری اہلِ بیت سے بغض رکھنے والے کی ساری عبادات نامقبول ہیں۔ جس دل میں بغضِ اہلِ بیت ہے، اس کی نماز قبول ہے اور نہ اس کا روزہ قبول ہے۔ یعنی اگر دل میں اہلِ بیت کا بغض ہو تو بغضِ اہلِ بیت رکھنے والے شخص کو نمازیں اور روزے نہیں بخشوا سکتے۔

میں یہ تمام احادیث شیعہ کتب سے نہیں بلکہ کتبِ اہلِ سنت سے بیان کررہا ہوں۔ ہمارے ائمہ کا اِن احادیث کو بیان کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کا اصل عقیدہ کیا ہے؟ یاد رکھیں! اگر محبتِ اہلِ بیت کے حوالے سے اِن احادیث میں بیان کردہ مذکورہ عقیدہ ہے تو اہلِ سنت کہلائیں گے اور یہ عقیدہ نہ رکھنے والا دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

و الذی نفسی بیده! لا یبغضنا أهل البیت أحد إلا أدخله الله النار. (حاکم، المستدرک، ۳:۱۶۲، رقم: ۴۷۱۷)

''خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں جان ہے! ہم اہل بیت سے بغض رکھنے والا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ جہنم میں نہ ڈالے۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

لو أن رجلا صف بين الركن والمقام، فصلى و صام، ثم لقى الله وهو مبغضٌ لأهل بيت محمد دخل النار. (محبّ طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۵۱)

''اگر کوئی شخص کعبۃ اللہ کے پاس رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور روزہ (بھی) رکھے اور پھر وہ اس حال میں مرے کہ اہلِ بیت سے بغض رکھتا ہو تو وہ شخص جہنم میں جائے گا۔''

یعنی جو کعبہ کے صحن میں سب سے بلند رتبہ جگہ پر کھڑا ہو اور ساری زندگی روزے بھی رکھے اور نماز بھی پڑھے مگر وہ اہلِ بیت محمد ﷺ سے بغض رکھنے والا ہے تو دوزخ کا ایندھن ہوگا۔ نہ رکنِ یمانی اسے بچائے گا اور نہ مقامِ ابراہیم اس کی شفاعت کرے گا۔

لوگو! حضور کی اہلِ بیت کے بغض سے بچے رہنا، اگر اہلِ بیت کا بغض دل میں ہوا اور بھول کر کہیں حوضِ کوثر پر آ گئے تو وہاں سے تمہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ حوضِ کوثر کا پانی نصیب ہوگا اور نہ مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ کیوں؟ اس لیے کہ حوضِ کوثر تو ایک طرف رہا، روزِ محشر کا انعقاد ہی شانِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کے اظہار کے لیے ہے۔ روزِ محشر ہر کوئی آئے گا، ہر ایک کی آمد یکساں ہوگی، بڑی بڑی تقدس مآب خواتین آئیں گی، بڑی بڑی عظیم ولیہ، صالحہ، عابدہ زاہدہ، عارفہ آئیں گی، سراپا عصمت و طہارت آئیں گی، بڑی بڑی ہستیاں آئیں گی، ہر ایک کی آمد اس کی شان کے مطابق ہوگی مگر ایک ہستی ایسی ہیں کہ اُن کی آمد قیامت کے دن سب سے منفرد و ممتاز ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

إذا كان يوم القيامة نادى مناد من وراء الحجاب: يا أهل الجمع! غضوا أبصاركم عن فاطمة بنت محمد ﷺ حتى تمر. (حاکم، المستدرک، ۳:۱۶۶، رقم: ۴۷۲۸)

''قیامت کے دن ایک نداء دینے والا پردے کے پیچھے سے آواز دے گا: اے اہلِ محشر! اپنی نگاہیں جھکا لو تاکہ فاطمہ بنت مصطفیٰ ﷺ گزر جائیں۔''

جب تک سیدہ نساء اہل الجنۃ، سیدۃ نسآء المومنین، سیدۃ نساء العالمین، لخت جگر مصطفیٰ ﷺ، جان مصطفیٰ ﷺ، روحِ مصطفیٰ ﷺ فاطمۃ الزہراء ؓ گزر نہ جائیں گی، اہلِ محشر میں کوئی نبی ہو یا ولی، نظر اٹھا کر کھڑے ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ جب روزِ محشر بھی ان کا ہے تو دنیا میں اہلِ بیتِ اطہار کی محبت دلوں میں نہ رکھنے والوں کو ان کی شفاعت کس طرح نصیب ہوگی؟

حسنین کریمین ؑ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ظاہری و باطنی مشابہت

تاجدار کائنات ﷺ نے حسنین کریمین ؑ کے حوالے سے فرمایا:

من احب الحسن والحسین ؑ فقد احبنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی.

جس نے حسن ؑ و حسین ؑ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ (سنن ابن ماجہ، فضل الحسن والحسین ؑ)

آقا ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام ؓ کی نگاہیں جب دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے ترس جاتیں تو مشتاقانِ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ سیدہ کائنات ؑ کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور شہزادے باہر آتے تو حسن اور حسین ؑ دونوں کو ملا کر دیکھ لیتے تو انھیں دیدارِ مصطفیٰ ﷺ ہوجاتا تھا۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں:

اَلْحَسَنُ أَشْبَهُ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ إِلَى الرَّأْسِ، وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهُ بِالنَّبِيِّ ﷺ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ.

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب: مناقب الحسن والحسین ؑ، ۵/۶۶۰، الرقم: ۳۷۷۹)

''حضرت حسن ؑ سینہ سے سر تک رسول اللہ ﷺ کی کامل شبیہ ہیں اور حضرت حسین ؑ سینہ سے نیچے تک حضور ﷺ کی کامل شبیہ ہیں۔''

حسنین کریمین ؑ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ظاہری مشابہت کے ساتھ ساتھ باطنی مشابہت بھی حاصل تھی۔ حسن اور حسین ؑ ظاہر میں بھی شبیہ مصطفیٰ ﷺ تھے اور باطن میں بھی شبیہ مصطفیٰ ﷺ تھے۔ اسی لیے آقا ﷺ نے فرمایا:

حسین منی وانا من حسین. (سنن ترمذی، ابواب المناقب)

''حسین ؑ مجھ سے ہے اور میں حسین ؑ سے ہوں۔''

حسین ؑ کا مصطفیٰ ﷺ سے ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، اس لیے کہ بیٹا اپنے باپ سے ہوا کرتا ہے۔۔۔ جز اپنے کُل سے ہوا کرتا ہے۔۔۔ شاخ اپنے درخت سے ہوتی ہے۔۔۔ پھل اپنی شاخ سے ہوتا ہے۔۔۔ اسی طرح حسین ؑ؛ مصطفیٰ ﷺ سے ہیں، یہ سمجھ میں آتا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصطفیٰ ﷺ؛ حسین ؑ سے کیسے ہوئے؟

قربان جائیں اہلِ بیتِ اطہار ؑ کی عظمت پر کہ اس نے نماز کی صورت میں اپنی عبادت کے کمال اور انتہا میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ اور اہلِ بیت اطہار ؑ کا ذکر رکھا ہے

حسین منی (حسین مجھ سے ہے) کا مطلب ہے کہ حسین ؑ میرا آئینہ ہے۔ ہر کمال، ہر فضیلت، ہر حسن، ہر جمال، ہر عظمت، ہر رفعت اور ہر خوبی جو تم حسین ؑ میں دیکھتے ہو تو سمجھ لو کہ یہ کمال مصطفیٰ ﷺ کا ہے مگر نظر حسین ؑ میں آتا ہے۔۔۔ وصف مصطفیٰ ﷺ کا ہے مگر جھلکتا اور دکھائی حسین ؑ میں دیتا ہے۔ گویا **حسین منی** کا مطلب یہ ہے کہ حسین ؑ کے ہر کمال کا مصدر اور اصل میں ہوں۔

جبکہ **انا من الحسین** (میں حسین سے ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ مصطفیٰ ﷺ؛ حسین ؑ کا مصدر اور حسین ؑ؛ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر ہیں۔۔۔ حسین ؑ کے ہر کمال کی اصل مصطفیٰ ﷺ سے ہے اور مصطفیٰ ﷺ کے ہر کمال کی جھلک حسین ؑ سے ہے۔۔۔ لہذا حسین ؑ سے دوری کرنا حسین ؑ سے دوری نہیں ہوگی بلکہ وہ مصطفیٰ ﷺ سے دوری ہوگی۔۔۔ حسین ؑ سے محروم ہوجانا مصطفیٰ ﷺ سے محرومی ہوگی۔۔۔ حسین ؑ سے بغض رکھنا مصطفیٰ ﷺ سے بغض ہوگا۔۔۔ حسین ؑ سے محبت مصطفیٰ ﷺ سے محبت ہوگی۔۔۔

حسین علیہ السلام کی غلامی مصطفیٰ ﷺ غلامی ہوگی۔۔۔ اور امام حسین علیہ السلام کا ذکر کرنے کا معنی حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرنا ہوگا۔ یعنی جس نے حسین علیہ السلام کا نام عقیدت و محبت سے لیا گویا اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام عقیدت و محبت کے جذبات سے اپنی زبان سے ادا کیا۔ یہ رشتہ مصدر و مظہر ہے۔ یعنی مصطفیٰ ﷺ؛ حسین علیہ السلام کا مصدر اور حسین علیہ السلام؛ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر ہیں۔

اسلام اپنے وجود میں محمدی ﷺ اور اپنی بقاء میں حسینی علیہ السلام ہے

انا من حسین کا ایک اور معنی بھی فضلِ الٰہی اور حضور ﷺ کے نعلین پاک کے صدقے مجھے سمجھ میں آیا کہ میں نے جب امام حسین علیہ السلام کی زندگی اور سیرت پر نگاہ ڈالی اور آپ کی خدمتِ دین کا مطالعہ کیا تو حسین علیہ السلام کا مصطفیٰ ﷺ سے ہونے کا یہ معنی ظاہر ہوا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود سے لے کر کربلا کے دن تک حسین علیہ السلام؛ مصطفیٰ ﷺ سے تھا اور کربلا سے لے کر قیامت تک مصطفیٰ ﷺ؛ حسین علیہ السلام سے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود سے لے کر کربلا کے دن تک حسین علیہ السلام مجھ سے تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ میرا پالا ہوا تھا، میرا پرورش یافتہ تھا، میرا تربیت یافتہ تھا، میں اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر چساتا تھا۔۔۔ اپنا فیض اسے منتقل کرتا تھا۔۔۔ میں حسین علیہ السلام کو اپنے سینے پر لٹاتا تھا تو سینہ مصطفیٰ ﷺ کا فیض حسین علیہ السلام کے سینے میں منتقل کرتا تھا۔۔۔ میں حسین علیہ السلام کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر چلا کرتا تھا، اس طرح میں حسین علیہ السلام کو کربلا کے دن کے لیے تیار کرتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حسین علیہ السلام کے ہاتھوں کو آقا علیہ السلام نے پکڑا ہوا تھا اور فرماتے تھے حسین علیہ السلام میرے سینے پر بیٹھ۔ حسین علیہ السلام؛ مصطفیٰ ﷺ کے سینے پر بیٹھتے تھے۔ پھر حضور علیہ السلام نے زبان نکالی اور حسین علیہ السلام کو فرمایا کہ منہ کھول! میرے مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان مبارک حسین علیہ السلام کے منہ میں ڈالی، حسین علیہ السلام چوسنے لگ گئے۔ یہ کیا تھا، یہ کربلا کا ایک پس منظر تھا کہ حسین علیہ السلام جب پیاس کا وقت آئے گا، اس وقت پانی تو نہیں ملے گا مگر میری زبان کا چشمہ کام آئے گا۔۔۔ جب گھوڑے تیری لاش مبارک پر دوڑائے جائیں گے، اس وقت میرے سینے پر لیٹنا یاد رکھ لینا۔۔۔ جب تیرا سر نیزے پر سوار کیا جائے گا تو میرے کندھوں کی سواری یاد رکھ لینا۔۔۔ میں ہر آنے والے وقت کا بدلہ دیئے جارہا ہوں۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود سے کربلا کے دن تک حسین علیہ السلام مجھ سے تھا پھر حسین علیہ السلام نے جو کچھ کربلا میں کردیا، اس کی وجہ سے کربلا کے دن سے قیامت تک میں حسین علیہ السلام سے ہوں۔ یعنی میرا دین حسین علیہ السلام سے ہے۔

میں اگر اس پورے مضمون کا ایک عنوان بنادوں اور حدیث کی شرح کا خلاصہ بیان کروں تو یہ ہوگا کہ ''اسلام اپنے وجود میں محمدی ﷺ ہے اور اپنی بقا میں حسینی ہے۔'' حسین علیہ السلام کا وجود مصطفیٰ ﷺ سے ہے اور اسلام کی بقا حسین علیہ السلام سے ہے۔ لہذا جو اسلام کی راہ پر چلنا چاہتا ہے، خدا کی قسم! وہ حسین علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلے۔۔۔ جو سیرت مصطفیٰ ﷺ پر چلنا چاہتا ہے وہ کردار حسین علیہ السلام پر چلے۔۔۔ اسلام کی پیروی؛ حسین علیہ السلام کے قدموں سے حاصل کرو۔۔۔ دینِ اسلام کی بقا حسین علیہ السلام سے ہے۔ اسی وجہ سے خواجہ اجمیر نے فرمایا:

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

یعنی دین اسلام اور لا الٰہ کی بنیاد حسین علیہ السلام ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا حسین علیہ السلام کی محبت کو اپنی محبت قرار دینا اور اِن سے غیر معمولی محبت کرنا اسی وجہ سے تھا کہ امام حسین علیہ السلام سے اسلام کو بقا ملنی تھی۔

ماہِ محرم الحرام میں واقعہ کربلا ہمیں ایک طرف اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام سے ہونے والے ظلم و ستم کی یاد دلاتا ہے تو دوسری طرف اس مقدس خانوادۂ کی قربانیوں، استقامت اور جرأت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ مہینہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام اور حسنین کریمین علیہما السلام کی محبت کی شمعیں اپنے دلوں میں روشن کریں اور اس سے نور حاصل کرکے اپنے ایمان کو ہمیشہ منور و تاباں رکھیں۔

❁❁❁❁❁

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

سرمایہ کاری کی مستحسن صورت

بیع مضاربہ، مضاربت کے احکام

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

اسلام کا طرزِ معیشت خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہے، جس میں قرضِ حسنہ کو فروغ دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نفع و نقصان کی شراکت کی بنیاد پر مضاربہ کی صورت میں سرمایہ کاری کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

بیع مضاربہ

دو یا زائد افراد کے درمیان ایسا معاملہ جس میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور فریقِ ثانی اس سرمائے سے اس معاہدے کے تحت کاروبار کرتا ہے کہ اسے کاروبار کے منافع میں سے ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا۔

مضاربت کے بارے میں احادیث

۱۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب ﷺ مخصوص شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ (المبسوط)

۲۔ ابونعیم راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ ﷺ کے مال کو مضاربت کے طور پر حاصل کر کے شام میں تجارت کی۔ (المبسوط)

۳۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ مضاربت میں برکت ہے۔ (ابوداؤد)

۴۔ حضرت عثمان غنی ﷺ مضاربت کیا کرتے تھے۔ (التبرکات فی الفقہ الاسلامی)

۵۔ ام المومنین حضرت عائشہ ﷺ اپنے پاس لوگوں کو جمع شدہ سرمایہ مضاربت کے طور پر کاروبار کیلئے دیا کرتی تھیں۔ (التبرکات فی الفقہ الاسلامی)

۶۔ حضرت عمر ﷺ نے بھی زید بن خلیدہ کے ساتھ مضاربت کی۔ (المبسوط)

۷۔ حضرت عمر ﷺ نے بیت المال سے بھی مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے رقم دی۔ آپ یتیموں کا مال مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے دیتے تھے تاکہ اس میں اضافہ ہو۔ (المبسوط)

مضاربت کے احکام

۱۔ مضارب کو مال حوالہ کرنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے تک اس مال کی حیثیت امانت کی ہے اور امانت کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اور جب رب المال اس رقم کو واپس مانگے تو اس کی واپسی بھی مضارب کی ذمہ داری ہے۔ مال ضائع ہو جانے کی صورت میں مضارب پر جرمانہ نہیں ہوگا۔

۲۔ کاروبار شروع ہوجانے کے بعد مضارب کی حیثیت رب المال کے وکیل (نمائندہ) کی ہو جاتی ہے۔

۳۔ کاروبار میں منافع ہونے کی صورت میں مضارب کی حیثیت مالیاتی معاہدہ کے شریک کی ہو جاتی ہے اور ہر شریکِ کاروبار کو معینہ اور طے شدہ نسبت سے منافع کی تقسیم کی جائے گی۔

۴۔ اگر کسی وجہ سے معاہدہ مضاربت منسوخ ہو جائے تو اس

صورت میں یہ معاہدہ مضاربت نہیں بلکہ معاہدہ روزگار کی شکل اختیار کرے گا اور مضارب کی حیثیت ملازم کی ہو جائے گی۔ نفع یا نقصان رب المال کا ہوگا جبکہ مضارب کو اس کی اجرت ملے گی۔

۵۔ اگر مضارب معاہدہ مضاربت کی شرائط میں سے کسی شرط کو تسلیم نہ کرے تو اس کی حیثیت غاصب کی ہوگی اور اس پر اصل سرمایہ کی واپسی کی ذمہ داری ہوگی۔

۶۔ اگر معاہدہ مضاربت کی ایک شرط یہ ہو کر سارا کا سارا منافع مضارب کو ملے گا تو یہ معاہدہ مضاربت نہیں بلکہ مضارب کی حیثیت مقروض کی ہوگی اور یہ معاملہ قرض کا معاملہ ہوگا۔ نفع و نقصان کی ذمہ داری اس کی اپنی ہوگی اور سرمایہ کے ضیاع کی صورت میں سرمایہ کی رب المال کو واپسی اس کی ذمہ داری ہوگی۔

۷۔ اگر شرط یہ ہو کہ سارا کا سارا منافع مالک کا ہوگا تو یہ معاملہ **عقدالبضاعۃ** کا ہوگا۔ مضاربہ نہ ہوگا، مضارب ملازم ہو جائے گا۔

مضاربت کی شرائط

معاہدہ مضاربت کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ راس المال (یعنی سرمایہ) نقدی یا زر یا سونے چاندی کی صورت میں ہونا چاہئے۔ باقی مال تجارت (عروض التجارۃ) کے ساتھ مضاربت جائز نہیں ہے۔ نقدی ہونا ضروری ہے کیونکہ مال تجارت کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جس کی وجہ سے قدرِ سرمایہ اور منافع کی مقدار بھی تبدیل ہوجاتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کپاس یا کپڑا ایک ہزار روپے کا ہے، یہ لو اور مضاربت کی بنا پر اس کو فروخت کرو تو معاملہ درست نہیں ہے۔ البتہ اگر مضارب سے کہا جائے کہ یہ مال تجارت لو اور اس سے جو سرمایہ حاصل ہو، اسکے ساتھ مضاربت کرو تو حنفی اور حنبلی فقہ کے مطابق جائز ہے جبکہ حنبلی مکتبہ فکر کے مطابق مشینری اور اوزاروں کی صورت میں سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ شکست وریخت کے اخراجات رب المال کے ذمہ ہوں۔

۲۔ معاہدہ مضاربت کے وقت راس المال (سرمایہ) معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کا تنازعہ پیدا نہ ہو سکے۔

۳۔ معاہدہ مضاربت کے موقع پر رب المال کے پاس سرمایہ کی موجودگی ضروری ہے۔ مضارب پر اگر قرض ہو تو اس کی بنیاد پر معاہدہ مضاربت نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر مضارب کو کسی اور شخص سے قرض وصول کرنے اور اس کے بعد کاروبار شروع کرنے کے لئے کہا جائے۔ اس صورت میں مضارب رب المال کا نمائندہ ہوگا۔

۴۔ معاہدہ کے وقت سرمایہ مضارب کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس پر تصرف کر سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رب المال مضارب کے ساتھ کاروبار میں حصہ لے گا تو معاہدہ منسوخ ہو جائے گا۔

۵۔ متوقع منافع میں سے مضارب کا حصہ (شرح یا فیصد) معلوم ہونا چاہئے۔ مثلاً نصف یا تیسرا حصہ وغیرہ۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سرمایہ سے کاروبار کرو، منافع میں سے تمہیں دو ہزار یا (کم وبیش) رقم ملے گی تو مضاربت کا معاملہ منسوخ ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ نصف اور اسکے علاوہ ایک ہزار روپے تو یہ صورت بھی درست نہیں۔

۶۔ مضارب کا حصہ منافع میں سے طے کیا جائے گا۔ راس المال (سرمایہ) میں سے نہیں۔ مثلاً: اگر یہ کہا جائے کہ نصف مال تمہارا اور منافع میں سے بھی اتنا اور اتنا حصہ تو درست نہیں۔ اسی طرح یہ شرط بھی درست نہیں کہ مضارب کو نصف یا تیسرا حصہ منافع کے علاوہ ماہانہ تنخواہ بھی ملے گی۔ یہ شرط باطل ہے جبکہ معاہدہ درست ہے۔ مضارب صرف منافع میں سے حصہ کا مالک ہے لیکن اگر شرط یہ ہو کہ مضارب کو رہنے کو مکان یا زراعت کے لئے زمین بھی دی جائے گی تو معاہدہ فاسد ہوگا۔

۷۔ اگر مضارب کے پاس رب المال کا مال یا مالی ذرائع بطور رہن موجود ہوں اور رب المال نے مضارب سے قرض لے رکھا ہو تو ایسے سرمایہ پر مضاربت درست نہیں ہے۔

مضارب کے حقوق وفرائض

۱۔ مضارب کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاہدہ کی تمام شقوں اور شرائط کی پابندی کرے۔

۲۔ کوئی تیسرا شخص مضارب کی بلامعاوضہ مدد کر سکتا ہے تاکہ وہ کاروبار کو بہتر طور پر چلا سکے۔

۳۔ اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ رب المال مضارب کے ساتھ کاروبار میں عملی حصہ نہیں لے سکتا کیونکہ اس سے مضارب کے اختیارات محدود ہو جاتے ہیں جبکہ شافعی مکتبہ فکر کے کچھ علماء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ رب المال مضاربت میں عملی حصہ بھی لے سکتا ہے۔ دور جدید کے بڑے پیمانے کے

کاروبار جن میں فیصلوں کا اختیار فرد واحد کی بجائے بالعموم ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز کے پاس ہوتا ہے۔ رب المال کا مضاربت کے کاروبار میں عملی شرکت کرنا جائز ہے۔

۴۔ معاہدہ مضاربت میں ضارب کی طرف سے راس المال (سرمایہ) کی بحفاظت واپسی کی ضمانت دینے سے مضاربت کا معاہدہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ البتہ مضارب کی طرف سے پوری ذمہ داری سے کام کرنے کی ضمانت لی جا سکتی ہے۔

۵۔ مضارب کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کاروباری خرید وفروخت کر سکتا ہے۔ اشیاء وغیرہ کو اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ کسی فرد کے ساتھ رہن (قرض یا ادھار دیتے ہوئے ضمانت کے طور پر کوئی چیز رکھنا) کا معاملہ کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے فرد کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرسکتا ہے۔ الا یہ کہ اس کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔

۶۔ مضارب کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ رب المال کا سرمایہ کسی دوسرے شخص کو قرض دیدے یا کسی کو مفت دے۔ البتہ رب المال کی اجازت سے قرض دے سکتا ہے۔

۷۔ مضاربت کے معاہدہ میں رب المال کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمائے کی حد تک محدود ہوتی ہے۔ الا یہ کہ اس نے مضارب کو قرض لینے یا ادھار خریدنے کی اجازت دی ہو۔

۸۔ مضارب کاروبار میں ادھار فروخت کا اختیار رکھتا ہے۔ الا یہ کہ اس کو صاحبِ سرمایہ روک دے۔

معاہدہ مضاربت کی مدت

۱۔ مالک سرمایہ یا مضارب دونوں میں سے کوئی ایک فریق یا دونوں معاہدہ کو کسی وقت بھی منسوخ کر سکتے ہیں۔ اگر معاہدہ میں دو سے زائد افراد ہیں تو ان میں معاہدہ برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

۲۔ مضاربت کا معاہدہ ایک خاص عرصہ وقت کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے اور لامحدود مدت کے لئے بھی۔

۳۔ معاہدہ مضاربت کسی ایک فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے البتہ دو سے زائد افراد کی صورت میں معاہدہ کو باقی فریق جاری رکھ سکتے ہیں۔

۴۔ معاہدہ مضاربت پہلے سے طے شدہ شرائط پر مسلسل جاری رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً: مضاربت کا معاملہ ایک معین عرصہ کے لئے کیا گیا اور جو کام شروع کیا گیا وہ مقررہ مدت سے پہلے ہی ختم ہو گیا اس صورت میں مضارب سرمایہ کو بقیہ عرصہ کے لئے دوسرے کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ البتہ اس صورت میں نفع ونقصان کے حوالے سے کچھ اختلاف رائے ہے۔

نفع ونقصان کے احکام

۱۔ شراکت کے معاملہ میں نقصان کاروبار میں لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے سرمایہ کے مالکوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے چونکہ مضاربت میں سرمایہ ایک فریق لگاتا ہے اس لئے نقصان کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے یعنی کاروبار میں جو بھی نقصان ہوگا وہ رب المال کو پورا کرنا ہوگا۔

۲۔ نفع کی تقسیم معاہدہ مضاربت میں طے شدہ نسبتوں سے ہوگی کسی بھی فریق کے لئے کوئی متعین رقم پیشگی طے نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ حنفی فقہ کے مطابق راس المال رب المال کے حوالے کرنے سے پہلے نفع کی تقسیم درست نہیں۔

۴۔ مسلسل جاری کاروبار میں نقصانات کی تلافی نفع سے کی جاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ کاروبار ختم کر کے حساب صاف کر لئے جائیں۔

۵۔ فریقین کے نفع ونقصان کی مقداروں کا تعین کاروبار ختم ہونے پر ہی کیا جائے گا۔

۶۔ کاروبار میں نفع کے حق دار نفع کے مالک اس وقت قرار پائیں گے جب اصل سرمایہ رب المال کو واپس مل جائے، خواہ اپنے سرمایہ پر اس کا قبضہ عملاً ہو یا قانوناً۔ مثلاً: اگر ایک فرد کی بنک کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے تو اس معاہدے کے اختتام اور نفع کی تقسیم کے لئے یہ کافی ہوگا کہ اصل سرمایہ اس فرد کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے یہ قانونی قبضہ ہے۔

۷۔ نفع سرمایہ میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ حقیقی منافع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کی محنت کا ازالہ ضروری ہے۔

۸۔ کاروبار میں کسی قسم کے اختیارات کا حصول یا مختلف تصرفات اور معاہدات کی اجازت یا کسی قسم کی پابندیاں باہمی رضامندی سے عائد کی جا سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

حسین علیہ السلام قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے عالی کردار ہیں

خالق کی ہر رضا پر راضی رہنے کا نام حسین علیہ السلام ہے

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

کربلا کے مسافر اہلِ بیت اطہار علیہم السلام دنیا سے ایسے گذرے ہیں کہ روشن قندیلوں کی مانند آج بھی شاہراہِ حیات پر چمک دمک رہے ہیں۔ ہر ذی نفس ان کے نقوشِ پا سے اپنی زندگی کی راہیں متعین کررہا ہے اور اپنی منزلوں کا سراغ لگا رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ انسانوں میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہستیاں ہیں اور باکمال اور بے مثال ذاتیں ہیں۔ ان کے سرخیل پیکرِ صبر و رضا، سید اہلِ وفا، شہیدِ جوروجفا، نور دیدہ مرتضیٰ و مصطفیٰ، شہزادہ بتول، جگر گوشہ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے۔

وہ حسین علیہ السلام جن کی شجاعت زمانے میں مشہور ہے۔۔۔ جن کی تلاوتِ قرآن نیزۂ عدو پر بھی ہے۔۔۔ جو امام الانبیاء علیہ السلام کی جان اور دین کے پھولوں کی مہکار ہیں۔۔۔ جو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے عالی کردار ہیں۔۔۔ جو رسول اللہ ﷺ کی محبت کا انتخاب ہیں۔۔۔جن کا حامی کردارِ حسینیت کا حامل قرار پایا اور جن کا مخالف کردارِ یزیدیت کی پہچان بنا۔۔۔ جن سے مؤدت جنت کی ضمانت اور عداوت دوزخ کی مقدوریت ہے۔۔۔ کربلا میں جن کے سجدے نے دین کو بچایا، ایسے نمازی کا نام حسین علیہ السلام ہے۔۔۔ خالق کی ہر رضا پر راضی رہنے کا نام حسین علیہ السلام ہے۔

آج اگر کسی کو دین سمجھنا ہے، دین کے تقاضوں کو معلوم کرنا ہے اور دین کی حقیقتوں کا ادراک کرنا ہے تو وہ اپنے کردار کی تشکیل میں اس ذات کی طرف راغب ہوجائے جو دین است حسین اور دین پناہ است حسین کے منصبِ کبریٰ پر فائز ہوچکی ہے۔

حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کو باری تعالیٰ نے جانِ محمد ﷺ بنایا ہے۔ یہ جانِ محمد ﷺ ہی دینِ محمدی کی علامت بن کر کربلا کے میدان میں کل خانوادے کو دین کی سربلندی اور اقدارِ دین کی خاطر قربان کردیتی ہے۔ نہ اس راستے میں اس نے اپنا سر جھکایا اور نہ ہی اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دیا۔ امام عالی مقام علیہ السلام کی اس جرأت اور شجاعت کو سلامِ عقیدت پیش کرتے ہوئے خواجہ اجمیر پکار اٹھتے ہیں:

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

شہادت ایک نعمت ہے اور شہداء نعمتِ شہادت کی بناء پر اللہ کے انعام یافتہ بندوں میں شمار ہوتے ہیں، جس کا ذکر قرآن مجید یوں کرتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ.

''اور جو کوئی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔'' (البقرہ،۲: ۲۰۷)

شہداء کا طبقہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں کا طبقہ ہے۔

اس نعمت کے حامل اپنی حیاتِ فانی کو حیاتِ باقی بنا دیتے ہیں اور حیاتِ عارضی کو حیاتِ دائمی کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ اس لیے وہ مر کر بھی نہیں مرتے بلکہ اپنی حیات کا احساس ہر پل کراتے رہتے ہیں۔ اپنی حیات کے شعور کو انسانی ذہنوں میں زندہ و تابندہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی رحمتوں کا نزول ان کی حیات کو مزید جلا بخشتا چلا جاتا ہے۔ شہداء کی ارواح اور مزارات پر صلوات الہٰ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور یہی رحمتیں ان کے اجساد پر وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ،۲: ۱۵۴) کا حکم جاری کرتی ہیں۔ شہداء کربلا آج بھی اس حکمِ قرآنی کے مطابق زندہ و جاوید ہیں۔ اس لیے ان کا ذکر بھی باقی ہے اور لوگوں میں جاری و ساری بھی ہے۔ شہداء کربلا کی شہادتوں کا ذکر تو سارا سال جاری رہتا ہے مگر جوں ہی محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو یہ ذکر اپنے جوبن و کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

10 محرم کو کربلا کا میدان حسینی لشکر کے 32 گھوڑ سواروں اور 40 پیادہ جانثاروں کی قربانی اور شہادتِ عظمیٰ کی تاریخ رقم کرنے کے لیے بیتاب تھا اور ان میں سے ہر کوئی اپنی جان کا سودا اپنے مولا کے حضور کر چکا تھا اور اس آیت کا مصداق اتم بنے ہوئے نظر آ رہا تھا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ.

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی مرضی چاہنے میں اپنی جان بیچ دیتے ہیں۔ (البقرہ،۲: ۲۰۷)

جبکہ اہل بیت اطہار اور شہداء کربلا کے مقابل آنے والوں، کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں 72 اہل بیت کے نفوس قدسیہ پر بے دریغ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے والوں، امام عالیمقام علیہ السلام کے سرمبارک کو تن سے جدا کر کے نیزہ پر بلند کرنے والوں، تمام رجالِ اہلِ بیت کی شہادت کے بعد اُن کے خیموں کو آگ لگانے والوں، عفت مآب مستوراتِ اہل بیت کی تقدیس کی بے حرمتی کرنے والوں اور انھیں قیدیوں کے روپ میں اپنے درباروں میں پھیرانے والوں کے لیے یہی قرآنی حکم کافی ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا. (الاحزاب،۳۳: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لیے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اہلِ بیت سے تعلق فرامینِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ کا تمام انسانوں اور جملہ مسلمانوں پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے حضور جھکایا اور ان کے اشرف الخلق ہونے کے اعزاز کو قائم رکھتے ہوئے انہیں مظاہرِ کائنات میں سے بے شمار چیزوں کو خدا بنانے، ان کی پرستش کرنے اور ان کے سامنے سربسجود ہونے سے بچایا ہے۔ آج اگر ہم اپنی باطن کی کائنات میں وحدت اور یکسوئی کی نعمت سے مالا مال ہیں تو سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ اور فراہم کردہ ہدایت کا نتیجہ ہے۔ سارے انسان اور تمام مسلمان مل کر بھی رسول اللہ ﷺ کے اس احسان کا بدلہ اور صلہ نہیں چکا سکتے۔ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس کارِ نبوت اور امرِ رسالت پر امت سے کوئی صلہ اور کوئی اجر نہیں مانگا ہے اور سب انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی طریق اور یہی روش رہی ہے اور وہ انسانوں کو ہدایت فراہم کر کے اپنے اجر اور صلہ کے باب میں یہی کہتے رہے ہیں:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الشعراء،۲۶: ۱۴۵)

اور میں تم سے اس (تبلیغِ حق) پر کچھ معاوضہ طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف سارے جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی امت سے یہی فرمایا: ان اجری الاعلی رب العالمین مگر اس کے ساتھ امت سے صرف اور صرف ایک ہی چیز اپنے امرِ رسالت اور کارِ نبوت پر طلب کی ہے جس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى.

میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا ہوں مگر اپنی قرابت سے محبت چاہتا ہوں۔ (الشوریٰ،۴۲: ۲۳)

رسول اللہ ﷺ نے اس امت سے اپنی قرابت اور اپنی اہلِ بیت کی محبت مانگی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی شانِ قاسمیت کے تحت امت کو سب کچھ عطا کردیا ہے مگر امت سے فقط مؤدت ومحبتِ اہلِ بیت طلب کی ہے۔حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي.

''میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ان میں سے پہلی عظیم چیز اللہ کی کتاب ہے۔ اس عظیم چیز میں ہدایت اور نور ہے پس تم کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اس کے ساتھ مضبوطی اختیار کرو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اور (دوسری عظیم چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں، یعنی اللہ سے ڈراتا ہوں۔ (مسلم بن حجاج القشیری، کتاب فضائل الصحابہ، ۳: ۱۸۷۳، الرقم ۲۴۰۸)

امت کو آج اہلِ بیت کے ساتھ تعلق کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات کو نہیں بھولنا چاہیے۔ اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اور قرآنی حکم اور حقیقت الاالمودۃ فی القربی کو ذہن نشین کرنا چاہیے۔

اسی حدیث کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات سے بھی ہوتی ہے:

فانظروا کیف تخلفونی فیھما. (ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی، ۵: ۶۶۲)

پس تم ضرور دیکھنا میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔

اہلِ بیت سے تعلق ہدایت کی علامت اور ہدایت کی ضمانت ہے اور ان سے قطع تعلقی، دین سے قطع تعلقی اور رسول اللہ ﷺ سے قطع تعلقی ہے۔ اس لیے اگر امت آج ہدایتِ الٰہیہ پر استقامت چاہتی ہے تو اس کا راستہ کتاب اللہ اور عترتِ رسول سے مضبوط تعلق اور مستحکم ربط میں ہے۔ گویا اہلِ بیت سے تعلق معمولی تعلق نہیں ہے۔ ان سے تعلق ایمان کا تعلق ہے، جس کا ان کے ساتھ تعلق ہے، اس کے دل میں ایمان کی بہار ہے۔

عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں اس وقت آپ کے پاس ہی تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کو کس نے ناراض کیا؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارا (بنو ہاشم) اور باقی قریشیوں کا کیا معاملہ ہے؟ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی غصے میں آ گئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الإیمان حتی یحبکم للہ ولرسولہ. (رواہ الترمذی)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تم سے محبت کرے۔''

اہلِ بیت سے محبت علامتِ ایمان ہے اور ان سے بغض علامتِ نفاق ہے۔۔۔ ان سے محبت جنت کی ضمانت ہے اور ان سے عداوت اللہ کے عتاب کی نشانی ہے۔

امام حسین علیہ السلام اقامتِ اسلام کا استعارہ

واقعہ کربلا سے قبل حسین علیہ السلام ایک ذات اور ایک شخصیت کا نام تھا۔ آج اسلام میں حسین علیہ السلام ایک کردار بن چکا ہے اور دینِ اسلام کی اقامت اور احیاء کا ایک استعارہ بن چکا ہے۔ حسین علیہ السلام ایک کردار اور دین کی سربلندی اور سرفرازی کا نشان کیسے بنے؟ اس حوالے سے یہ فرمان باری تعالیٰ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ.

اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل

کرنے کے لیے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے۔ (البقرہ،۲: ۲۰۷)

اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کا سودا کرنے والوں کا مقصد صرف اور صرف مولا کی رضا و خوشنودی ہوتی ہے۔ رب اپنی رضا اور خوشنودی کے لیے خود اپنے بندوں سے بعض کو چن لیتا ہے اور ان کو آزمائش و ابتلا سے گزار کر مقامِ رفیع پر متمکن کرتا ہے۔ اس طرح کی ابتلاء و آزمائش مقربین و صالحین کے لیے ہوتی ہے، اس حقیقت کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

''اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔'' (البقرہ،۲: ۱۵۵،۱۵۶)

ان آیاتِ کریمہ کا ایک ایک لفظ شہداء کربلا کے پاک نفوس پر منطبق ہوتا ہے انھوں نے سب سے پہلے اپنی جانوں کو اللہ کی رضا کا پیکر بنایا اور پھر رضائے الٰہی کی تلاش وجستجو میں ہر آزمائش اور ہر ابتلاء سے گزر گئے۔۔۔ دشمن کا خوف ان کے راستے کی رکاوٹ نہ بنا۔۔۔ یزیدی فوج کی کثرت ان کے پائے استقلال کو مضمحل نہ کرسکی۔۔۔ بھوک و پیاس کی شدت ان کے جذبۂ شہادت کی راہ میں مزاحم نہ ہوسکی۔۔۔ اور بچوں، نوجوانوں اور سارے خانوادے کی شہادت بھی امام عالی مقام علیہ السلام کو باطل کے سامنے سرنگوں نہ کرسکی اور وہ میدان کربلا میں جانوں کا نذرانہ قوتِ صبر کے ساتھ پیش کرتے رہے۔

قرآن مجید ان شہداء کو جنھوں نے اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور اولاد کا سودا اللہ کی رضا کی خاطر کیا اور سب کچھ اسی کے نام پر قربان کیا، اُن کے لیے یہ مژدہ جانفزا سناتا ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ق وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ. (البقرہ،۲: ۱۵۷)

''یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے پے در پے نوازشیں ہیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

کربلا کے شہداء نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حیات دی ہے اگر اس وقت شہداء کربلا اسلام کی خاطر قربانی نہ دیتے تو آج اسلام کی تعلیمات کی خالصیت اور انفرادیت نظر نہ آتی۔ واقعہ کربلا نے اسلام کو حیاتِ نو دی ہے۔ ہر دور میں جب بھی اسلام کی اقدار پر حملہ ہوگا، اسلام کی تعلیمات کو مسخ کیا جائے گا اور اسلام کی روشن روایات کو مٹانے کی کوشش کی جائے گی تو شہداء کربلا کا کردار اسلام کو سنبھالنے آجائے گا اور اسلام کو حیاتِ نو بخشے گا۔

قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

واقعۂ کربلا اور اسلام میں دو کرداروں کا ظہور

واقعہ کربلا تاریخ اسلام اور تاریخ انسانیت میں حق اور باطل کی علامت بن چکا ہے۔ آج حق کے اظہار کا نام حسینیت ہے۔۔۔ عدل و انصاف کے قیام کا اعلان حسینیت ہے۔۔۔ اسلام کی سربلندی کا نام حسینیت ہے۔۔۔ اسلام کی ارفع اقدار کی بحالی کا نام حسینیت ہے۔۔۔ اسلام کے احیاء اور اقامت دین کا نام حسینیت ہے۔۔۔ اپنے حکم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اور موافق کرنے کا نام حسینیت ہے۔۔۔ اللہ کے حکم کے سامنے جھکنے کا نام حسینیت ہے۔۔۔ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا نام حسینیت ہے۔

جبکہ اس کے مقابلے میں اسلام سے منافقت کا نام یزیدیت ہے۔۔۔ اسلام کے ساتھ دھوکہ و دجل کا نام یزیدیت ہے۔۔۔ اسلام کے شعار کا مذاق اڑانے کا نام یزیدیت ہے۔۔۔ اسلامی اقدار کو مسخ کرنے کا نام یزیدیت ہے۔۔۔ اسلام کے تصورِ امانت میں خیانت کرنے کا نام یزیدیت ہے۔۔۔ اسلام کے مقدس نام کو پامال کرنے کا نام یزیدیت ہے۔۔۔ عیش وعشرت، فسق و فجور، ظلم وستم، دجل وفریب، ظلم و ناانصافی، بیت المال اور قومی خزانے کو لوٹنے اور عملاً اسلام کی تعلیمات کے انکار کا نام یزیدیت ہے۔ اس لیے یزیدیت کا ہر

روز، روزِ زوال ہے اور حسینیت کا ہر روز روزِ عروج ہے۔ یزیدیت فنا کا نام ہے جبکہ حسینیت بقا کا نام ہے۔

واقعہ کربلا اور شہداء کربلا نے اسلام کو حیاتِ نو اور حیاتِ جاوداں دی ہے۔شہداء کربلا کا پاک خون آج بھی اسلام کی تعلیمات کی حفاظت کررہا ہے۔آج بھی اسلام کو اپنی حفاظت اور اپنی بقاء کے لیے جب بھی ضرورت پڑتی ہے تو شہداء کربلا کا خون حسینی روح بن کر مسلمانوں میں دوڑنے لگتا ہے۔

حسینیت اور یزیدیت میں سے ایک کردارِ حق ہے اور ایک کردارِ باطل ہے۔۔۔ ایک کردار اسلام کو زندہ کرنے والا ہے اور ایک کردار اسلام کی اقدار کو مٹانے والا ہے۔۔۔ ایک کردار اسلام کی عظمت کا ہے اور ایک کردار اسلام کی بدنامی کا ہے۔۔۔ ایک کردار اسلام کے فروغ کا ہے اور ایک کردار اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا ہے۔۔۔ ایک کردار اسلام کو زندہ کرنے کا ہے اور ایک کردار اسلام کے ساتھ منافقت کا ہے۔ آج اسلام کی تعلیمات، اقدار، حقیقی تصورات، اصل اعتقادات، نظریات اور تعلیمات کا احیاء صرف اور صرف کردارِ حسین سے روشنی لینے سے ہی ممکن ہے۔

حاصلِ کلام

10 محرم الحرام کا دن ہر سال امتِ مسلمہ کے ایک ایک فرد کو غمگین اور افسردہ کردیتا ہے کہ کربلا کے میدان میں یزیدی فوج نے جو کچھ کیا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا واضح انکار تھا اور اسلام کی تعلیمات کا کھلا استہزا اور مذاق تھا۔ کربلا کی زمین پر یزیدی فوج نے ہر ظلم کو اہلِ بیت کے خلاف روا رکھا۔ کربلا میں خون بہانے کے بعد بھی ابن زیاد اور یزیدی فوج کی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ اہل بیت کی تقدس ماب خواتین کو کوفہ و دمشق کے بازاروں میں کئی دنوں تک پھرایا گیا۔ خانوادہ نبوت کے سروں کو نیزوں پر لہرایا گیا۔ ابن زیاد اور یزید سرِ حسین اور چہرہ حسینؑ کی بے حرمتی اور گستاخی کرتے رہے۔حتی کہ سیدنا زین العابدینؑ کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ یہ سارا کچھ اس خانوادے کے ساتھ کیا جارہا ہے جن پر یہ امت روزانہ نماز میں درود وسلام بھیجتی ہے۔ جن کی طہارت وتطہیر کی گواہی قرآن نے دی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔(الاحزاب،۳۳:۳۳)

بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک ونقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

اہلِ بیت اطہار نے اپنا خون دے کر دین کو بچالیا، اپنے خون سے دین کی اقدار کی حفاظت کی اور شجرِ دین کی اپنے خون سے آبیاری کی ہے۔ واقعہ کربلا حق اور باطل کی علامت اور امام عالیمقام ؑ حق کی علامت بنے۔۔۔ صداقت کی نشانی حسینؑ ہیں۔۔۔ امانتِ دین کی علامت حسینؑ ہیں۔۔۔ دین کی زندہ قدروں کا نام حسینؑ ہے۔۔۔ دین کا محافظ حسینؑ ہے۔۔۔ رہتی دنیا تک ظلم وستم کے خلاف آوازِ حق کا نام حسینؑ ہے۔۔۔ فرعونی ونمرودی اور یزیدی قوتوں کے خلاف صدا حسینؑ ہیں۔۔۔ ہر یزیدِ وقت کے خلاف جذبۂ ایمانی کا نام حسینؑ ہے۔ امام حسینؑ نے کربلا میں حضور ﷺ کے کندھوں کی سواری کی لاج رکھ لی۔ اس حق اور فرض کی ادائیگی کے بعد امام حسینؑ کا وجود سراپا دین بن گیا ہے اور امام حسینؑ کا کردار بنائے لا الہ بن گیا ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا کردار آج صرف ایک مسلمان کے لیے ہی راہنما نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہر انسان کردارِ حسینی سے ظلم وستم اور جور و استبداد کے خلاف صدائے حق کو بلند کرنے کے لیے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ایک روشنی پارہا ہے۔ کردارِ حسینؑ کسی فرقے کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ حق، سچ اور اسلام کی نمائندگی کرتا ہے اور ایک کردارِ مسلم کا تعین کرتا ہے۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر شخص پکارے گا ہمارے ہیں حسین

❁❁❁❁❁

ہجرتِ مدینہ اور جذبۂ مواخات

ہجرتِ مدینہ کے بعد انصارِ مدینہ کا مہاجرینِ مدینہ کے لیے جذبۂ ایثار دیدنی تھا۔ ہر انصاری صحابی اپنی ملکیت میں موجود ہر چیز مہاجرینِ مکہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کرنے پر راضی تھا

محمد فاروق رانا

ظہورِ اسلام سے پہلے پورا عرب قبائلی نظام حیات پر چل رہا تھا۔ قبائلی عصبیت ہر فرد کے ظاہر و باطن کو محیط تھی۔ اپنے قبیلے سے کٹ کر فرد کی کوئی حیثیت نہ رہ جاتی تھی۔ ہر شخص ذاتی تحفظ کے لئے اپنے قبیلے کی پناہ لینے پر مجبور ہوتا۔ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ ہر قبیلہ اپنے افراد کی جائز و ناجائز مدد کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

اس نظام کے تحت جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اس کے قبیلے میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا کیونکہ اسلام دراصل وہ دعوتِ انقلاب تھی جس سے قبیلے برادریوں کے بت توڑ کر عالمگیر برادری کو وجود میں لانا تھا اور جس کی بنیاد مساوات اور مواخات پر رکھی جانی تھی۔ لہذا قبیلہ اسلام قبول کرنے والے کی جان و مال کے تحفظ سے دستبردار ہو جاتا اور اسے قبیلے سے خارج کر دیا جاتا۔ اگر اسلام قبول کرنے والا شخص غلام یا معاشرتی اعتبار سے کمزور ہوتا تو اسے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا اور اسے اذیت ناک سزائیں اور تشدد برداشت کرنا پڑتا۔ وہ معاشی طور پر تو پہلے ہی کمزور ہوتا اب معاشرتی طور پر بھی الگ تھلگ اور تنہا ہو جاتا۔

ہجرتِ مدینہ سے قبل مواخات

اسلام نے مصائب و مسائل کی آگ میں جلتے ہوئے ان مسلمانوں کو مواخات کے رشتے میں منسلک کر کے انہیں ایک عالمگیر برادری کے رکن ہونے کا احساس بخشا جس سے ان کا احساسِ تنہائی، ذہنی انتشار اور سوشل بائیکاٹ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا کرب دور ہوا اور وہ ابتلا و آزمائش کے اس دور میں بھی مواخات کی رحمتوں اور برکتوں کی خنک رتوں سے روح کی تسکین کشید کر لیتے۔

مکہ مکرمہ میں ہجرت مدینہ سے پہلے مواخاتی رشتے وجود میں آئے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تاجدارِ کائنات ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ،

۶۔ حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سالم مولیٰ ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت سعد بن ابی زید رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

مدینہ میں مہاجرین کی آمد

جب مدینہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مؤثر حکمتِ عملی سے بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد سازگار ماحول بن گیا اور اوس وخزرج کے لوگ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے مقرر کردہ نقباء کی کاوشوں سے مسلمان ہونے لگے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں مقیم مسلمانوں کو مدینہ

ہجرت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں مقیم مسلمان انفرادی طور پر اور گروہوں کی صورت میں کفارِ مکہ کی آنکھوں سے بچتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچنا شروع ہوگئے۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم ﷺ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

مہاجرین مکہ میں بعض اگرچہ دولت مند بھی تھے لیکن چونکہ مکہ سے چھپ چھپا کر نکلے تھے اس لئے مدینہ پہنچے تو بے سرو سامان تھے۔ انصار مدینہ کی معیشت پر بوجھ بڑھ رہا تھا اور اقتصادی مشکلات پیدا ہونے لگی تھیں۔ اس صورتحال میں سیاسی اور سماجی الجھنیں سر اٹھا رہی تھیں۔ مہاجرین میں احساس اجنبیت جنم لینے کو تھا، وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے اور بغیر کچھ کام کئے مفت کا معاوضہ حاصل کر کے گذر بسر کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں مواخاتِ محمدی

اگرچہ انصارِ مدینہ اپنی بساط سے بڑھ کر مہاجرین کی میزبانی کا حق ادا کر رہے تھے لیکن مدینے کی بیدار مغز قیادت ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ مہاجرین کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے سے ان کی عزتِ نفس بھی بحال رہتی اور انصار پر بوجھ بھی کم پڑتا۔ انصار کی معیشت کا دارو مدار زراعت پر تھا۔ مہاجرین کی اکثریت تاجر پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ چند ایک کے سوا مہاجرین کی مدینہ کے لوگوں سے رشتہ داری بھی نہ تھی۔ بعض مہاجرین کے اہل و عیال ابھی مکہ میں تھے۔ روزگار کے مواقع بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔

آقائے دوجہاں ﷺ نے ان مسائل کی طرف توجہ فرمائی اور مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوتے ہی انصار کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر طلب فرمایا۔ انصارِ مدینہ نے رحمت عالم ﷺ کے حضور درخواست کی کہ ہمارے تمام نخلستان اور باغات ہمارے اور مہاجرین مکہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیئے جائیں مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ مہاجرین اور انصار دو دو آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے بعد تاجدار مدینہ ﷺ دو دو مسلمانوں کو بلاتے رہے اور ارشاد ہوتا رہا کہ آج سے تم بھائی بھائی ہو اور یہ سلسلہ اس روز کے بعد بھی جاری رہا۔ جب کوئی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آتا تو اسے کسی انصار کا بھائی بنا دیا جاتا۔

انصار کا ایثار

جذبۂ ایثار مسلمانوں بالخصوص تجدید و احیائے اسلام کے عظیم مصطفوی مشن پر کاربند کارکنان و رفقاء کا وہ ہتھیار ہے جو بے سرو سامانی میں بھی انہیں مغلوب نہیں ہونے دیتا اور ان کا سر فخر سے بلند رکھتا ہے۔ آقا ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کیا تو یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتے کی طرح بن گیا۔ انصار اپنے سگے بھائی اور قریبی رشتہ داروں سے بھی زیادہ اپنے مہاجر بھائیوں کا خیال رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی فوت ہوتا تو اس کی جائیداد کا وارث اس کا مہاجر بھائی بنتا۔ انصار نے مہاجر بھائیوں کو اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں، کاروباروں، باغات، گھروں اور املاک میں برابر برابر حصہ دار بننے کی پیش کش کی۔

مہاجرین؛ انصارِ مدینہ کے خلوصِ دل سے قدردان تھے۔ وہ ایک دن بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: ''یارسول اللہ ﷺ! ہمیں جس قوم کا مہمان بننے کا اتفاق ہوا ہے، وہ معمولی معمولی باتوں پر ہماری دلجوئی کرتے ہیں اور بڑی بڑی حاجات کو پورا کرنے کے لئے جس دریا دلی سے مال خرچ کرتے ہیں، اس جیسی قوم ہم نے کہیں نہیں دیکھی۔ ہمیں کام بھی نہیں کرنے دیتے اور آمدنی کا پورا حصہ بھی دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں خطرہ لاحق ہوا کہ سارا اجر و ثواب یہی نہ لے جائیں۔''

حضور رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تم ان کی فیاضی کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعا گو رہو گے تو ایسا نہیں ہوگا۔''

انصار کے ایثار و قربانی پر قرآن حکیم کی شہادت

انصار کی کیفیت یہ تھی کہ خود بھوک اور افلاس کی سختیاں برداشت کرتے تھے لیکن کیا مجال جو مہاجر بھائیوں کو ذرا بھی

تکلیف ہونے دیں۔ مومنین کی یہی خصوصیت ہے جس کا ذکر سورہ حشر میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الحشر،۵۹:۹)

''(یہ مال اُن انصار کے لیے بھی ہے) جنہوں نے اُن (مہاجرین) سے پہلے ہی شہرِ (مدینہ) اور ایمان کو گھر بنالیا تھا۔ یہ لوگ اُن سے محبت کرتے ہیں جو اِن کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اور یہ اپنے سینوں میں اُس (مال) کی نسبت کوئی طلب (یا تنگی) نہیں پاتے جو اُن (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود اِنہیں شدید حاجت ہی ہو، اور جو شخص اپنے نفس کے بُخل سے بچالیا گیا پس وہی لوگ ہی با مراد و کامیاب ہیں۔''

ان ہی لوگوں کو قرآن حکیم نے ''مومنین حقا'' قرار دیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (الانفال،۸: ۷۴)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (راہِ خدا میں گھر بار اور وطن قربان کر دینے والوں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں، ان ہی کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔''

کتنی عظیم الشان ہے یہ شہادت اور کتنا بلند ہے ان حضرات کا نصیبہ۔ یہ رشتہ اخوت ایسا استوار ہوا کہ انصار بھائی کی موت پر اس کے ترکہ کا وارث مہاجر بھائی قرار دیا جاتا۔

مصطفوی معاشرے کی تشکیل میں معاشی استحکام کا کردار

قرآن حکیم میں سورہ انفال آیت نمبر 26 میں مصطفوی انقلاب کے مکی اور مدنی دور کے احوال کا تقابلی ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (الانفال،۸: ۲۶)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم (مکی زندگی میں عدداً) تھوڑے (یعنی اقلیّت میں) تھے ملک میں دبے ہوئے تھے (یعنی معاشی طور پر کمزور اور استحصال زدہ تھے) تم اس بات سے (بھی) خوفزدہ رہتے تھے کہ (طاقتور) لوگ تمہیں اچک لیں گے (یعنی سماجی طور پر بھی تمہیں آزادی اور تحفظ حاصل نہ تھا) پس (ہجرت مدینہ کے بعد) اس (اللہ) نے تمہیں (آزاد اور محفوظ) ٹھکانا عطا فرما دیا اور (اسلامی حکومت و اقتدار کی صورت میں) تمہیں اپنی مدد سے قوت بخش دی اور (مواخات، اموالِ غنیمت اور آزاد معیشت کے ذریعے) تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا فرما دی تاکہ تم (اللہ کی بھرپور بندگی کے ذریعے اس کا) شکر بجا لاسکو۔''

قرآن حکیم نے بطور قوم یہ اجتماعی فلسفۂ حیات ہمارے سامنے رکھ دیا ہے وہ مسلم قوم اور ملک جو خود کو اقتصادی اعتبار سے مستحکم نہیں کرتی، وہ سیاسی سطح پر بھی آزادی کی نعمت سے کماحقہ بہرہ ور نہیں ہوسکتی اور معاشرتی طور پر افراتفری اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کا مذہب بھی غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ قوم و ملک کی دینی، اخلاقی، روحانی، معاشرتی اور سیاسی خدمت اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک معاشی اور اقتصادی انقلاب کے لئے ٹھوس اقدامات نہ کئے جائیں اور معاشی استحکام کے بعد جب تک قوم بین الاقوامی سطح پر سیاسی طور پر آزاد نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی مذہبی آزادی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

آقائے دوجہاں ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد پہلا قدم معاشی استحکام کے لئے اٹھایا اور مہاجرین و انصار کو مواخات کا نظام عطا کیا۔ انصار کے وسائل میں مہاجرین کو شریک کر کے معاشی ترقی کو مہمیز لگا دی۔ دونوں کی افرادی قوت نے مل کر اقتصادی ترقی کی منزل طے کی۔ زراعت اور تجارت دونوں میدانوں میں مہاجرین اور انصار نے نفع بخش منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان پر وسائل و اسباب کے

دروازے کھل گئے۔ پوری سوسائٹی معاشی طور پر مضبوط ہو گئی۔ سب سے زیادہ اہمیت غریب، بے روزگار، نادار اور وسائل سے محروم افراد کو دی گئی۔ انہیں بنیادی ضرورتیں مہیا کر دی گئیں اور امیر غریب کی تفریق مٹا دی گئی۔ اس طرح فلاحی اسلامی ریاست کی پہلی اینٹ کے طور پر معاشی انقلاب برپا کر دیا گیا۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ (نفس کو خودغرضی اور بخیلی سے بچانا)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ معاشی استحکام کا یہ عظیم منصوبہ کیسے مکمل ہو گیا۔۔۔؟ مواخاتِ محمدی کے تحت غریب اور مالدار کو بھائی بھائی بنایا گیا۔ نادار اور بے سروسامان کو صاحبِ ثروت کے ساتھ رشتۂ اخوت میں پرو دیا گیا۔ دونوں کو مال، گھر، املاک، کاروبار میں برابر کا شریک کر دیا گیا مگر یہ سب کیسے ہو گیا۔۔۔؟

دین کی تعلیم یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے نفس کو بخیلی اور تنگ نظری سے آزاد کر لے۔ یہ نہ ہو کہ مفاد حاصل کرنے کے لئے دوسروں سے آگے نکلنے کے لئے دوڑ شروع ہو جائے جس میں ایک آدمی دوسرے کو صرف اس لئے گرا دے کہ وہ آگے نکل کر کچھ حاصل نہ کر لے لہذا اسے گرا دیا جائے تاکہ سب کچھ وہ خود حاصل کر لے۔ یہ بدترین خودغرضی جب تک معاشرہ کے تمام افراد کے نفوس سے باہر نکال کر پھینک نہ دی جائے، اس وقت تک ایثار و قربانی کا مظاہرہ ممکن نہیں ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ نے دعوتِ حق قبول کرنے والے انصار و مہاجرین کو اسی تعلیم و تربیت سے آراستہ فرماتے ہوئے انہیں مواخات کا تحفہ عطا فرمایا جس کے نتیجے میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی استحکام اور غلبہ دینِ حق کی نعمت عطا ہوئی اور اللہ رب العزت نے ان مومنین حقاً کو فلاح و کامیابی اور اللہ کی رضا کے حصول کی نوید سنائی کیونکہ انہوں نے اپنے نفس کو خودغرضی اور بخیلی سے محفوظ کر لیا۔

مواخات کو اوّلیت حاصل ہے

مواخات اقتصادی وسائل کے حصول کی دوڑ میں دوسروں کو گرا کر آگے نکل جانے کا نام نہیں بلکہ گرے ہوؤں کو اٹھا کر اپنے ساتھ منزل تک لے جانے کا نام ہے اور یہ دین کا فریضہ اولین ہے جسے باقی عبادات پر فوقیت حاصل ہے۔ اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ اللہ ہے، رسول ہے، فتح و کامیابی ہے، اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں، سب کچھ کھو دیا گیا، نہ خدا ملا، نہ رضائے حبیب ﷺ حاصل ہو سکی، دنیا بھی گئی، آخرت بھی برباد ہوئی، نماز روزے حج زکوٰۃ سب اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ اولیت نادار اور محروم کے حقوق کی ادائیگی کو حاصل ہے، یہی مواخاتِ محمدی کی بنیاد ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا، تکبیر پڑھی گئی، آقا ﷺ نماز پڑھانے کے لئے مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے اور ابھی تکبیر اولیٰ کہنے ہی والے تھے کہ ایک غریب نے باہر آ کر آواز دی: ''میں غریب اور نادار ہوں، میری حاجت روائی فرمائی جائے۔'' آقا ﷺ اس کے لئے پیغام بھیج سکتے تھے کہ تھوڑی دیر رک جاؤ تاکہ نماز ادا کر لی جائے، پھر آپ کی حاجت پوری کرنے کے لئے انتظام کر دیتے ہیں لیکن تاجدار کائنات ﷺ نے نماز مؤخر کر دی، مصلیٰ چھوڑا، صحابہ کرام صفوں میں کھڑے رہ گئے اور غریبوں کے مولیٰ سائل تک تشریف لے گئے، اس کی حاجت روائی کی اور پھر آ کر نماز پڑھائی۔

اس پس منظر میں سورہ الماعون کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ نادار کو نظرانداز کرنا اور بے سہارا سے منہ پھیر لینا تکذیبِ دین ہے اور ایسا کرنے والے اپنی نماز صحیح طور پر ادا نہیں کرتے۔ ان کی نمازیں اور عبادات محض ریاکاری ہیں جبکہ ایمان کی تصدیق دل سے اور عمل سے ہوتی ہے اور ایمان والے دل میں بخل نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لئے کشادگی ہوتی ہے۔ اسلام جس مصطفوی معاشرے کی تشکیل کی بات کرتا ہے، اس کی بنیاد وسائل کی عادلانہ اور منصفانہ تقسیم پر رکھتا ہے، دوسرے سے وسائل چھیننے پر نہیں بلکہ وسائل سے محروم لوگوں تک وسائل پہنچانے پر رکھتا ہے، ایک دوسرے کے لئے ایثار پر رکھتا ہے اور قربانی و فیض رسانی پر رکھتا ہے۔

مواخات سے بڑھ کر جذبۂ مواخات کی ضرورت

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک کسی حکومت نے پاکستانی معاشرے کو مصطفوی معاشرے میں بدلنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ معاشرے میں 5 سے 10 فیصد افراد بنیادی

ضرورتوں میں خودکفیل ہیں اور باقی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں، بے روزگار ہیں اور علاج، تعلیم اور رہائشی سہولتوں سے محروم ہیں، حتی کہ عزت اور جان کے تحفظ سے بھی محروم ہیں جبکہ چند خاندان وسائل اور سرمائے پر قبضہ کرنے اور لوٹ کھسوٹ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ بدنصیبی کی بات یہ بھی ہے کہ سیاست کو بھی دھوکا، فریب اور دھونس دھاندلی کا ذریعہ بنا کر ایسے عناصر قوتِ نافذہ تک رسائل حاصل کر لیتے ہیں جو اسلام کے بنیادی مواخاتی نظام کے برعکس سرمائے پر قابض رہنے اور اس کے حصول کے لئے دوسروں کو گرانے پر یقین رکھتے ہیں۔

اس صورتحال سے نکلنے کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے مصطفوی معاشرے کی تشکیل کا راستہ۔ تحریک منہاج القرآن وہ واحد تحریک ہے جو پاکستان میں مصطفوی معاشرے کی تشکیل کی بات کرتی ہے اور پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتی ہے۔ تحریک اس کے لئے ایک ٹھوس لائحہ عمل اپنا کر منزل تک پہنچنے کے لئے قومی سطح پر اخلاقی و روحانی، تعلیمی و ثقافتی، معاشی و سماجی اقدار کے احیاء اور بیداریٔ شعور کے لئے جدوجہد میں شب و روز مصروف ہے۔

تحریک منہاج القرآن کا ہر رفیق اور کارکن اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصب پر مواخات محمدی کے فروغ کا ذمہ دار ہے۔ اسے تحریک کے مواخاتی خاندان کی بہبود کے لئے سوچنا ہوگا، جاگنا ہوگا، کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا اور ہر قدم پر یاد رکھنا ہوگا کہ اس کی نسبت حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے قائم کردہ مصطفوی معاشرے کے ساتھ ہے۔

ہر رفیق ''شح نفس'' (نفس انسانی کی بدترین خودغرضی) سے نجات کا ذمہ دار ہے۔ اس لئے ہر رکن اور رفیق خواہ اس کے پاس کوئی بھی ذمہ داری ہو، ہمہ وقت باوضو رہنے کا پابند ہے تاکہ اسے ہر وقت وہ کلمہ یاد رہے جو کلمۂ حق ہے۔ اسے ہر وقت اپنی کوتاہیاں یاد رہیں تاکہ وہ خدا کے حضور استغفار کرتا رہے۔ ہر کارکن قرآنی تعلیمات کو حرزِ جاں اور منہاج العمل پر پابندی کو یقینی بنائے۔ تواضع و انکساری اپنانا اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کا اہتمام کرنا تحریک کے ہر کارکن کی شخصیت کا خاصہ ہونا چاہیے۔

آقا علیہ السلام ایک سفر پر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ کھانا وغیرہ موجود ہے اور کچھ لوگ ضرورت کی اشیاء سے بھی محروم ہیں۔ آپ ﷺ نے جب یہ فرق دیکھا تو فرمایا:

''من کان عندهٗ فضل ظهرٍ فلیعدبهٖ علی من لا ظهر لـهٗ و من کان عندهٗ فضل زادٍ فلیعد به علیٰ من لا زادله'' حتّٰی ظننا انهٗ لا حق لاحدٍ منا فی الفضل۔ (ابوداؤد)

''تم میں سے جس کے پاس ضرورت سے زائد کپڑا ہو، وہ اس شخص کو لوٹا دے جسے اس کی ضرورت ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا ہو، وہ اس شخص کو لوٹا دے جسے اس کی ضرورت ہے۔ (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) حتی کہ ہم نے یہ سمجھا کہ زائد از ضرورت کسی چیز میں بھی ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔''

اس طرح آقا علیہ السلام نے معاشی انقلاب کی بنیاد فراہم فرما دی اور سمجھا دیا کہ غریب اور امیر کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کچھ لوگ عیاشی کی زندگی گزار رہے ہوں اور کچھ لوگ اپنے گھر کی چیزیں بیچ کر زندگی کی ضروریات پوری کر رہے ہوں۔ ایسی صورتحال میں حکم ہے کہ جس کے پاس زائد ہے، وہ بنیادی ضروریات سے محروم لوگوں کو زائد وسائل واپس کریں، لوٹا دیں۔

ایک مصطفوی معاشرے کی تشکیل کے لیے تحریک منہاج القرآن کے تمام کارکنان و رفقاء ایک خاندان ہیں۔ اس خاندان کا ہر فرد جذبہ مواخاتِ محمدی سے سرشار ہو کر اپنے مواخاتی خاندان کے تمام افراد کے معاشی استحکام کے لئے عملی اقدامات کرے اور یوں آقائے دوجہاں ﷺ کے عطا کردہ راہِ ہدایت پر چل کر موجودہ انتہائی کٹھن اور معاشی حالات میں اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرے۔

آیئے! ہم سب مل کر اپنے اپنے حلقہ میں موجود بالخصوص تحریکی رفقاء و کارکنان اور بالعموم تمام پاکستانیوں کے لیے اخوت و بھائی چارے کی عملی تصویر بن جائیں تاکہ اس مواخاتِ محمدی پر عمل پیرا ہوکر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہوسکیں۔

❁❁❁❁❁

یومِ آزادی۔۔۔یومِ احتساب

پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے معجزوں کا انتظار کرنے کی بجائے ہم میں سے ہر شخص کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے

ڈاکٹر صفدر محمود

شاید ہی خطۂ ارض پر کسی اور قوم نے اپنے وطن کے قیام و استحکام کیلئے اتنی قربانیاں دی ہوں جتنی پاکستانی قوم کے مقدر میں تھیں۔ قیام پاکستان کا اولین محرک مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت، انہیں ہندو اکثریت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ بنانا اور انہیں احساسِ تحفظ فراہم کرنا تھا۔ 14اگست یوم احتساب ہے اور ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنی ناکامیوں اور کامیابیوں کا تجزیہ کریں اور قیامِ پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لئے حکمت عملی بنائیں۔ اس حوالے سے غور کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ تمام تر کوششوں اور قابلِ رشک کامیابیوں کے باوجود دشمن بار بار کامیاب ہوجاتا ہے اور ہم ناکام ہو جاتے ہیں؟

شبنم لہو بنی ہے، گلوں سے اٹھے شرار
یوں بھی ہوا ہے جشن بہاراں کبھی کبھی

14اگست یوم آزادی اور خوابوں کی تعبیر کا دن ہے۔ خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے یہ یوم احتساب ہے کہ ہم غور کریں اور سوچیں پاکستان کن خوابوں کی تعبیر تھا اور وہ خواب کس حد تک پورے ہوئے تاکہ وہ مقاصد اور منزل ہماری نگاہوں اور ذہنوں میں زندہ رہیں۔ احساسِ منزل جہاں بے حسی کا جمود توڑتا ہے وہاں جدوجہد اور حرکت کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے نوجوان نسلوں میں حصول پاکستان کے مقاصد کو زندہ رکھنا ضروری ہے تاکہ انہیں احساس رہے کہ

چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

منزل کیا تھی۔۔۔؟ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں: اول تو یہ کہ قائداعظمؒ کا تصور پاکستان کیا تھا اور انہوں نے کس قسم کے پاکستان کیلئے عوام سے حمایت طلب کی۔۔۔؟ دوم یہ کہ خود عوام کے ذہنوں میں پاکستان کا کیا نقشہ تھا اور انہوں نے کس قسم کے پاکستان کیلئے تاریخی قربانیاں دیں۔۔۔؟ بلاشبہ راہِ آزادی میں خون کے چراغ جلانے ہی پڑتے ہیں کیونکہ غیرملکی حاکموں کے تسلط سے نجات حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا لیکن قیام پاکستان کیلئے ہجرت سے لے کر قید و بند اور قتل و غارت تک جتنی قربانیاں دی گئیں اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

قائداعظمؒ پاکستان کو ایک ماڈرن اسلامی فلاحی جمہوری ملک دیکھنا چاہتے تھے جس میں انسانی سطح پر مساوات، معاشی، سماجی عدل، انصاف، اقلیتوں کے لئے برابر کے حقوق، شہری آزادیوں، استحصال، کرپشن، کنبہ پروری اور بلیک مارکیٹنگ کے خاتمہ اور سیاسی سطح پر قانون کی حاکمیت (Rule of Law) کا دور دورہ ہو۔ اس ضمن میں ان کی بے شمار تقاریر کے حوالے دیئے جاسکتے ہیں جن میں قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد ازاں کی تقریریں شامل ہیں۔ میرے مطالعے کے مطابق قائداعظمؒ نہ ہی مذہبی شخصیت تھے اور نہ ہی سیکولر تھے۔ وہ ایک روشن خیال، وسیع المطالعہ مسلمان تھے اور انہوں نے سیرت نبویﷺ، قرآن حکیم

اور اسلامی قوانین کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ قائداعظمؒ کے ذاتی اسٹاف کے اراکین اور دوست اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کی لائبریری میں ان موضوعات پر مستند کتابیں موجود تھیں جن کا قائداعظمؒ مطالعہ کر چکے تھے۔

وہ ہمارے حاکموں کی مانند محض سن سنا کر تقریریں نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی تقریریں ان کی گہری فکر کی غمازی کرتی تھیں۔ وہ بہت غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست نہیں ہوگی۔ اس میں فرقہ پرستی، برادری ازم، جاگیرداری اور دھونس دھاندلی نہیں ہوگی بلکہ پاکستان ایک ماڈرن اسلامی فلاحی جمہوری ملک ہوگا۔

ہم نے بحیثیتِ قوم ملکِ پاکستان کی صورت میں ملنے والی نعمت کا جو حشر کیا وہ سات دہائیوں پر محیط دردناک داستان ہے۔ ہم نے اسلامی قدروں کو پامال کر کے لوٹ مار، رشوت خوری، قتل و غارت، کمیشن خوری، شراب و جنس پرستی، جھوٹ، بے انصافی اور عوامی استحصال کا غدر برپا کئے رکھا اور گلہ پھر بھی اللہ پاک سے ہے۔ نعمت ملتی ہے تو اس کی پاسداری کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں۔ نعمت برستی ہے تو اپنے ساتھ آزمائش بھی لاتی ہے۔ آزمائش کیا ہے۔۔۔؟ آزمائش شکر بجا لانے اور خدائی حدود کے اندر رہنے کی۔

دراصل پاکستان کی صورت میں ملنے والی اللہ پاک کی نعمت کا خلوصِ نیت سے شکر بجا لانا بذات خود تقاضا کرتا ہے کہ ہم رضائے الٰہی کے لئے ان حدود و قیود کو پامال نہ کریں جو اللہ پاک نے متعین کر رکھی ہیں۔ لیکن ذرا غور کیجئے ہم نے شکر بجا لانے کے بجائے ہر وہ کام کیا جو رضائے الٰہی کے بجائے غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔

جس ملک کے اقتدار پر مختلف مافیاز قابض ہوں۔۔۔ جو مختلف ہتھکنڈے استعمال کر کے عوام کا خون چوستے ہوں۔۔۔ اور جس کی قیادت کے بارے میں اربوں کھربوں لوٹ کر بیرون ملک محلات خریدنے کی کہانیاں زبان زدِ عام ہوں کیا اس ملک اور ایسے نمائندوں کو منتخب کرنے والی قوم پر اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی نعمت کی تکمیل فرمائے گا؟

''یوم آزادی۔۔۔ یوم احتساب'' کے حوالے سے ہمیں خود سے یہ سوال پوچھنا ہے کہ کیا ہم نے پاکستان کو صحیح معنوں میں پاکستان بنا دیا ہے۔۔۔؟ کیا ہم نے اس خواب کی تعبیر پالی ہے جس کے لئے ہمارے بزرگوں نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔۔۔؟ کیا پاکستان اپنے سیاسی معاشی نظام، حکمرانوں کے کردار اور عام شہریوں کے حقوق کے حوالے سے ایک ماڈرن اسلامی جمہوری ملک بننے میں کامیاب ہوا ہے۔۔۔؟ ظاہر ہے کہ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے کیونکہ پاکستان نہ جمہوری ملک ہے اور نہ اس کا معاشرہ استحصال سے پاک ہے۔ یہاں نہ لوگوں کو معاشی و سماجی عدل حاصل ہے اور نہ قانون کی حکمرانی ہے۔ یہاں نہ عدالتی انصاف شہریوں کو میسر ہے اور نہ ہی احساسِ تحفظ حاصل ہے۔ پاکستان پر بدقسمتی سے مخصوص طبقے حاوی ہیں، وہی اقتدار میں رہتے ہیں اور انہی کے مفادات ملک کی اجتماعی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ نتیجے کے طور پر عام شہری اور بے وسیلہ پاکستانی ظالمانہ اور جابرانہ نظام کی چکی میں پس رہے ہیں اور انہیں منزل کی روشنی کہیں نظر نہیں آتی۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ''چلے چلو کہ منزل ابھی نہیں آئی۔'' ہماری منزل وہ پاکستان ہے جس کا خواب ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا اور جس کا تصور قائداعظمؒ نے دیا تھا اور اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا ہمارا سب کا انفرادی اور اجتماعی فرض ہے۔ مایوسی کی بجائے عمل کی ضرورت ہے۔ پاکستان کو صحیح معنوں میں پاکستان بنانے کے لئے نہ ہی آسمان سے فرشتے اتریں گے اور نہ ہی یہ ہماری قیادت کے بس کا روگ ہے۔ اس لئے معجزوں کا انتظار کرنے کی بجائے ہم میں سے ہر شخص کو اپنا کردار ادا کرنا ہے، وہ کردار کم ہو یا زیادہ۔۔۔ کیونکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

❁❁❁❁❁

پانی کا بحران اور ناگزیر منصوبہ بندی

زرعی شعبہ اس وقت 50 فیصد سے زائد پانی کی کمی کا شکار ہے

چین نے 1950ء سے لے کر اب تک 22 ہزار ڈیمز تعمیر کئے

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی فکر انگیز تحقیق

زمانۂ قدیم سے پانی کے مسئلے پر جنگیں جاری ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایسی پہلی جنگ تین ہزار قبل مسیح میں لڑی گئی اور اس وقت سے لے کر آج تک یہ مسئلہ دنیا کے مختلف حصوں میں وجۂ نزاع اور باعثِ جنگ و جدل بنا ہوا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان اب تک کئی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ان تمام جنگوں میں کور ایشو مقبوضہ کشمیر تھا مگر اب خدشہ ہے کہ دونوں فریقین کے مابین اگلی جنگ پانی کی کمی کے مسئلے پر ہوگی۔ ایک اندازے کے مطابق اگر 2018ء اور 2022ء کے عرصے کے دوران ان دونوں ملکوں میں مون سون کی بارشیں معمول کے مطابق نہ ہوئیں تو پانی کی صورتحال سنگین ہوجائے گی جو دونوں ممالک کے درمیان ایک خوفناک بداعتمادی اور رسہ کشی کی شکل اختیار کرسکتی ہے اور یہ رسہ کشی غیر روایتی ہوگی۔

دنیا بھر میں پانی کی طلب بڑھ رہی ہے اور جب طلب سپلائی سے بڑھ جائے تو پانی کی کمی قوموں کو ایک دوسرے کے مقابل میدان جنگ میں لا کھڑا کرسکتی ہے۔ اس وقت پاکستان 50 فیصد سے زائد پانی کی کمی کا شکار ہے اور دو بڑے آبی ذخیرے تقریباً خشک ہیں، پانی کی اس کمی کی وجہ سے چاول اور گندم کی اگلی فصل کی پیداوار بری طرح متاثر ہوگی۔ 22 کروڑ آبادی کا ملک اپنی تاریخ کے خوراک کے ایک بڑے بحران کا شکار ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پانچ براعظموں میں پچاس سے زائد ممالک پانی کے مسئلے پر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔ اس لئے اشد ضروری ہے کہ یہ ممالک جتنا جلد ممکن ہو سکے دریاؤں اور زیر زمین پانی کے ذرائع کے استعمال کے باہمی اشتراک پر مبنی معاہدوں پر متفق ہوجائیں۔ پانی کے مسئلے پر جھگڑے اور جنگیں جلد دنیا کے مختلف خطوں میں سر اٹھانے لگیں گے۔ اقوامِ عالم کو ان عوامل پر کام کرنے کی ضرورت ہے جو مختلف ملکوں کے درمیان پانی کے مسئلے پر پائے جانے والے تناؤ کو کم کرسکیں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ پانی انسانی بقاء، زراعت وصنعت، بجلی کی پیداوار حتیٰ کہ انسانوں اور اشیاء کی نقل وحمل جیسی سرگرمیوں کے لئے بھی انتہائی ضروری ہے۔

پانی کا دس فیصد استعمال گھریلو ضروریات کے لئے ہوتا ہے، بیس فیصد صنعتوں کے لئے اور باقی ستر فیصد پانی زرعی شعبے میں کام میں لایا جاتا ہے۔ اپنی علامتی اور جذباتی اہمیت کے علاوہ پانی ایکوسسٹم یعنی ماحولیاتی نظام کو قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی اور معاشی سرگرمیوں کی وجہ سے جب تازہ پانی کی سپلائی پر دباؤ بڑھ جاتا ہے تو اس کی کمیابی ہو جاتی ہے اور یہ کمیابی باہمی جھگڑوں اور دوسرے خوفناک نتائج کا سبب بن سکتی ہے۔ انسانی تاریخ کی ابتداء سے ہی اقوام کے درمیان جنگوں کی بڑی وجہ پانی کا مسئلہ رہا

ہے۔ یہ جنگیں مقامی سطح پر بھی لڑی گئی ہیں اور علاقائی، قومی اور عالمی سطحوں پر بھی۔ ان میں سے ہر سطح دوسری سے منسلک ہے اور ایک سطح پر مداخلت کے اثرات دوسری سطح پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں، سماجی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی عوامل بھی جھگڑوں اور تناؤ میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ پانی کا غیر مناسب حصہ ملنے اور اس کا غیر موزوں استعمال بھی ماضی میں جنگوں کا باعث بن چکا ہے اور آئندہ بھی بن سکتا ہے۔ یہ قیمتی چیز خوراک کی پیداوار کے لئے بھی درکار ہے جس کے لئے پانی کا استعمال ستر فیصد ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے دنیا میں پانی کی موجودہ دستیابی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک پروفیشنل پلاننگ کمیشن تشکیل دیا جائے جو پاکستان کی بقا سے متعلق معاملات پر منصوبہ بندی کرے اور کسی حکومت کو اس منصوبہ بندی کو تبدیل کرنے اور التواء میں ڈالنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے

تاہم پانی کی کمیابی بنی نوع انسان کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اس کمیابی کا مشاہدہ شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں کیا جا رہا ہے، جبکہ سب صحرائے افریقہ میں یہ معاشی کمزوری کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ پانی کو ایک جنگی ہتھیار کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جس میں پانی کے ذرائع کو فوجی اقدامات کے دوران دشمن ملک کے خلاف استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اسے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دہشتگرد عناصر بھی پانی کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کام میں لا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ اور کینیڈا جیسے ممالک بھی کہ جہاں پانی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، اکثر جھگڑوں پر اتر آتے ہیں کیونکہ ان کے چند علاقوں میں پانی کی کمی کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک کینیڈین شہری ایک عام یورپی شہری کے مقابلے میں دوگنا پانی استعمال کرنے کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان عوامل سے پتہ چلتا ہے کہ پورے شمالی امریکہ میں پانی کے استعمال کی شرح بہت زیادہ ہے۔ تقریباً پچھتر فیصد کینیڈین شہری سطح زمین پر موجود پانی پر انحصار کرتے ہیں اور باقی پچیس فیصد زیر زمین پانی کے ذخائر پر۔ چونکہ یہ دونوں ذرائع خطرے کا شکار ہیں اس لئے ان علاقوں میں بھی پانی پر جھگڑوں کے امکان میں اضافہ ہو گیا ہے۔

2007ء میں کینیڈا میں سربند بوتل میں دستیاب پانی کے حوالے سے دہشت گردانہ حملہ ہوا۔ اسی سال دہشت گردی کی وجہ پانی سے متعلق ایک اور جھگڑا تھا۔ 2008ء میں چین نے تبت میں منحرفین کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا کیونکہ تبت میں پائے جانے والے پانی کے ذخائر چین کے لئے بہت اہم ہیں اور وہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر ان ذخائر پر اپنا کنٹرول رکھنا چاہتا ہے۔ جنوبی ایشیاء میں پانی کے منڈلاتے خطرے کے پیش نظر علاقائی منظرنامے پر نظر رکھنے والے ماہرین نے پاکستان اور بھارت کے درمیان اگلی جنگ پانی کے مسئلے پر چھڑنے کے خدشے کا اظہار کیا ہے۔ پاکستان کی جانب سے بھارت پر اپنے حصے کے پانی کی چوری کے الزام کی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان تناؤ پہلے ہی بڑھ رہا ہے۔ پاکستانی حکام کا کہنا ہے کہ بھارت اس کے حصے میں آنے والے دریاؤں پر بند باندھ کر اور ڈیم تعمیر کر کے دونوں ممالک کے درمیان عالمی بینک کے ذریعے 1960ء میں طے پانے والے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

دونوں ممالک کے درمیان 'غلط فہمیوں' کے ازالے کے لئے اعلیٰ سطحی وفود کا تبادلہ ہو چکا ہے تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ پانی کی دستیابی کے حوالے سے معلومات شیئر کی جا سکیں۔ تاہم ابھی تک یہ ملاقاتیں نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکیں۔ پانی کا مسئلہ اتنا نازک ہو چکا ہے کہ سرحدوں کے دونوں اطراف کی سیاسی جماعتیں اس پر اپنی سیاست چمکا رہی ہیں۔ اس موقع پر عالمی برادری کو حرکت میں آنے کی ضرورت ہے تاکہ پانی کے جھگڑوں کی وجہ سے عالمی امن کو لاحق خطرات کی پیش بندی کی جا سکے۔ اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لئے

اسے اپنے وسائل مجتمع کر کے کوئی حل پیش کرنا ہوگا۔ خصوصاً اقوام متحدہ کو پانی کے مسئلے کو اپنے ایجنڈے کا حصہ بنانا اور اس مسئلے کے تدارک کے لئے کوئی جامع حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی۔ ایسے خطوں کی نشاندہی کرنا ہو گی جہاں پانی پر جھگڑے پھوٹ پڑنے کا امکان ہو اور فریقین کی باہمی رضامندی کے ساتھ مسئلے کے پائیدار حل کے لئے ضروری اقدامات کرنے ہوں گے۔

پاکستان دنیا کے ان دس ممالک میں شامل ہیں جو ماحولیاتی آلودگی، گلوبل وارمنگ اور پانی کے خطرناک بحران کی زد پر ہے، رواں سال سرکاری اعدادوشمار میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس وقت پاکستان کا نہری نظام 50 فیصد پانی کی کمی کا شکار ہے، یقیناً اس کمی کا اثر پیداوار پر پڑے گا۔ پاکستان آج بھی دستیاب پانی کا بڑا حصہ سمندر میں گرا کر ضائع کر دیتا ہے۔ 60 کی دہائی کے بعد ہم کوئی بڑا آبی ذخیرہ نہیں بنا سکے، اب وقت آ گیا ہے کہ انسانی زندگی کی بقا کے لئے کالا باغ ڈیم سمیت تمام ڈیزائن کردہ چھوٹے بڑے ڈیمز ترجیحاً تعمیر کیے جائیں اور پانی کے کم استعمال اور اس لیکوئیڈ گولڈ کی حفاظت اور بچت کا شعور اجاگر کیا جائے۔ زرعی پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے نہروں کی باقاعدگی کے ساتھ بھل صفائی کی جائے، روزمرہ کے گھریلو استعمال کے لیے ضرورت کے مطابق پانی استعمال کرنے کا کلچر اختیار کیا جائے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب پٹرول ڈیزل نہیں تھا تب بھی انسانی زندگی موجود تھی مگر پانی کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے۔

ہماری سیاست میں تکنیکی اعتبار سے مسلّمہ علم رکھنے والے سماجی، معاشی، زرعی ماہرین کی کمی ہے۔ ہمارے سیاستدان اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں اور وہ علم نہ ہونے کے باوجود ہر موضوع پر ماہر کے طور پر اپنی رائے دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور دوسرا بڑا المیہ یہ ہے کہ حکمران جب اقتدار میں ہوتے ہیں تو ان کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں اور جب وہ اپوزیشن میں ہوتے ہیں تو ان سے بڑا کوئی نیشنلسٹ نہیں ہوتا۔ قول وفعل کا یہ تضاد اور بدلتے ہوئے موسموں کے مطابق موقف بدلنے کی عادت نے آج پاکستان کو بحرانستان میں تبدیل کر دیا ہے۔ کالا باغ

جنوبی ایشیاء میں پانی کے منڈلاتے خطرے کے پیش نظر علاقائی منظرنامے پر نظر رکھنے والے ماہرین نے پاکستان اور بھارت کے درمیان اگلی جنگ پانی کے مسئلے پر چھڑنے کے خدشے کا اظہار کیا ہے

ڈیم کی ہی مثال لے لیں یہ خالصتاً ایک فنی اور تکنیکی مسئلہ ہے مگر اس کالا باغ ڈیم کو اتنا متنازعہ بنا دیا گیا کہ اس کے خلاف بات کرنا گویا کارثواب ہے۔ جنرل مشرف کے دور حکومت میں کالا باغ ڈیم سمیت آبی ذخائر کی تعمیر کے حوالے سے ماہرین پر مشتمل ایک تکنیکی کمیٹی بنائی گئی تھی مگر دیگر تین صوبوں نے کالاباغ ڈیم کی تعمیر کو فنی بنیادوں پر ڈسکس کرنے کی بجائے جذبات کی بنیاد پر اپنی رائے دی اور بوجوہ یہ انتہائی ناگزیر منصوبہ فائلوں میں دب کر رہ گیا ہے۔ اس وقت دنیا کے جس ملک نے بھی معاشی استحکام حاصل کیا ہے اُس میں اس کے آبی ذخائر اور زرعی شعبے کی ترقی مرکزی نکتہ ہے۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی اعتبار سے زراعت دوست بنایا ہے۔ اس کی زرخیز زمینیں، اس کے بہترین موسم، اس کی جفاکش زرعی افرادی قوت ملک کا اصل اثاثہ ہے مگر ہر چیز ناقص منصوبہ بندی اور نااہلی کی نظر ہو چکی ہے۔

اگر ہم آبی ذخائر کی بات کریں تو دنیا کے سب سے بڑے ڈیمز چین میں ہیں۔ چین نے **1950**ء سے لے کر اب تک **22**ہزار ڈیمز تعمیر کئے۔ دنیا کے **15**بڑے ڈیمز چین کے اندر ہیں۔ بھارت میں **4**ہزار تین سو ڈیمز بن چکے ہیں اور مزید بن رہے ہیں۔ ایران میں **5** سو **88**ڈیمز ہیں اور **137**ڈیمز زیرتعمیر ہیں۔ **546**ڈیمز مزید تعمیر کرنے پر ایران منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ روس میں **27**سو میگا ڈیمز ہیں۔ امریکہ نے اب تک **15**ہزار **6**سو ڈیمز بنائے۔ یو کے کے پاس **486**ڈیمز ہیں اور پانی کی حفاظت اور ری سائیکلنگ کے حوالے سے برطانیہ سرفہرست ممالک میں شامل ہے جبکہ

زرعی ملک پاکستان جسے اللہ نے بہترین نہری نظام، دریاؤں اور پانی کے خزانوں، وسیع و عریض گلیشیئر سے نواز رکھا ہے اس کے پاس صرف **150** ڈیمز ہیں جن میں قابل ذکر صرف **2** میگا ڈیمز ہیں اور یہ ڈیمز بھی **50** سال قبل بنے۔

غربت، جہالت اور غلامی کے طوق ایسے ہی گلے میں نہیں پڑتے، جب انسان عقل کے باوجود عقل سے کام نہ لے، معدنیات کے باوجود معدنیات کو استعمال میں نہ لائے تو پھر نتائج وہی نکلتے ہیں جو آج کل ہمارے سامنے ہیں۔ ہر انتخابات میں عوام کو گزشتہ **40** سال حکومت کرنے والی جماعتوں کے نمائندوں سے کم از کم سوال تو کرنا چاہیے کہ آئندہ نسلوں کے محفوظ مستقبل کے لئے آبی ذخائر تعمیر کیوں نہیں کئے گئے۔۔۔؟ خوراک اور توانائی کے مسائل حل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کیوں نہیں کی گئی۔۔۔؟ گزشتہ **40** سالوں میں پاکستان نے **44** ہزار **3** سو **66** ارب روپے کا قرضہ لیا۔ یہ قرضہ کہاں خرچ ہوا۔۔۔؟ عوامی نمائندوں سے یہ سوال ضرور پوچھا جانا چاہیے؟ ہم نے آبی ذخائر بھی تعمیر نہیں کئے۔ توانائی کی ضروریات کو بھی نظر انداز کیا گیا۔۔۔ تعلیم صحت اور انصاف کے شعبے انسانیت کا منہ چڑا رہے ہیں تو پھر یہ ضخیم رقم کہاں خرچ ہوئی۔۔۔؟ اور ان ہزاروں ارب کے قرضہ جات کا سود پاکستان کا بچہ بچہ ادا کر رہا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک پروفیشنل پلاننگ کمیشن تشکیل دیا جائے جو پاکستان کی بقا سے متعلق معاملات پر منصوبہ بندی کرے اور کسی حکومت کو اس منصوبہ بندی کو تبدیل کرنے اور التواء میں ڈالنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ امریکہ، برطانیہ سمیت ترقی یافتہ ممالک میں حکومتیں اور ایڈمنسٹریشن تبدیل ہوتی رہتی ہیں مگر ان کی پالیسیوں میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آتی۔ ایسا ہی نظام اور انتظامی کلچر اپنانے کی پاکستان کو بھی ضرورت ہے۔ کالا باغ ڈیم کی تعمیر پر کھلے دل اور حب الوطنی کے جذبات کے تحت بات کی جائے۔ کالا باغ ڈیم سمیت تمام ڈیزائن کردہ میگا ڈیمز کو مکمل کرنے کے لئے وسائل اکٹھے کئے جانے چاہئیں اور صرف اور صرف پانی کے خزانوں کو محفوظ بنانے کے لئے منصوبہ بندی ہونی چاہیے۔ پانی کو مستقبل کا لیکوئیڈ گولڈ اور خرید و فروخت کی کموڈٹی قرار دیا جا رہا ہے۔ ہم پہلے ہی بہت تاخیر کا شکار ہیں، لہٰذا پانی کے بحران سے بچنے کے لئے اور اس کی وجہ سے جنم لینے والے توانائی اور خوراک کے بحران سے بچنے کے لئے ابھی سے منصوبہ بندی کی جائے اور عملدرآمد کے لئے یکسوئی کے ساتھ تمام وسائل اور توانائیاں بروئے کار لائی جائیں۔

سیاستدانوں کی ترجیحات اقتدار اور اپوزیشن میں مختلف ہوتی ہیں، اپوزیشن میں ہوتے ہوئے ان سے بڑا کوئی نیشنلسٹ نہیں ہوتا۔ قول و فعل کا یہ تضاد اور بدلتے ہوئے موسموں کے مطابق موقف بدلنے کی عادت نے آج پاکستان کو بحرانستان میں تبدیل کر دیا ہے

سیاسی حلقے کالا باغ ڈیم کے قابل عمل منصوبے پر از سر نو نظر ثانی کریں۔ اس منصوبے کو سیاست کی بجائے تکنیکی پیمانے پر پرکھا جائے۔ سندھ کے محبِّ وطن سیاستدان ایک قدم آگے آئیں اور کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے حوالے سے اپنا کردار ادا کریں۔ نوجوان سیاستدان اس عظیم کام کا بیڑا اٹھائیں اور کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے منصوبے کو ممکن بنائیں۔ 60 کی دہائی کے بعد کوئی میگا ڈیم نہیں بنا جس کا نتیجہ پیداوار کی انتہائی کمی کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے۔ اگر خشک سالی اور پانی کی کمی اسی طرح جاری رہی تو پھر پورا پاکستان خدانخواستہ تھر اور چولستان میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ ہزاروں سال پر مشتمل تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بڑی بڑی تہذیبیں دریاؤں کے کناروں پر آباد ہوئیں اور دریاؤں کے خشک ہونے کے ساتھ ان کا وجود بھی ختم ہو گیا۔

اللہ رب العزت ہمیں پانی جیسی عظیم نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نہ صرف پانی کے موجودہ ذخائر کی بچت کرنے بلکہ پانی کے ذخائر کی حفاظت کے لیے بھی احسن اقدام کرنے کی توفیق اور صلاحیت و قابلیت عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک ہمہ جہت شخصیت

شیخ الاسلام کی علمی اور دینی خدمات کا دائرہ کئی دہائیوں پر محیط اور پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے

قاضی تجمل حسین

اللہ تبارک وتعالی نے اس کائنات میں مختلف النوع مخلوقات اور انکی احتیاجات وضروریات کے لئے حسبِ خواہش نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، پھر ان تمام مخلوقات میں اللہ رب العزت نے حضرت انسان کو سب سے اشرف وافضل بنایا، پھر انسانوں میں بھی اللہ نے مختلف الافکار والاذہان لوگوں کو پیدا فرمایا اور ایسی ایسی حیرت انگیز باکمال و بے مثال غیر معمولی اوصاف کی حامل نابغۂ روزگار شخصیات پیدا ہوتی رہیں جنہوں نے انسانوں کی راہنمائی، ان کی فلاح وبہبود، ان کی اصلاح کے لئے کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے اور کرۂ ارضی پر تاقیامت یہ زریں سلسلہ جاری رہے گا (ان شاءاللہ)۔

ان ہی ذہین وفطین اور عقدثمین (قیمتی موتیوں) میں سے ایک اہم موتی اور اس سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اُن کے علمی، دینی اور تحریکی کاموں کی وجہ سے محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ کچھ شخصیات ہمہ جہت ہوتی ہیں اور ان کی زندگی کا ہر پہلو قابلِ ستائش ہوتا ہے۔ فقط عامیوں میں نہیں بلکہ خواص میں بھی ان کی قامت دراز ہی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب بہ یک وقت، محدث، فقیہہ، عالم باعمل، ایک بے مثال خطیب، تصوّف وسلوک کے مقتداء و پیشوا، زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور علم وعمل کے پیکر اور زاہد شب بیدار، فیاض و سخی، حلیم و بردبار، شیخ ومربی، ایک عظیم محقق، ایک بہترین اسلوب نگار ادیب، میدان تعلیم کے ایک عظیم موسس اور قومی و بین الاقوامی حالات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مفکر و مدبر قائد ہیں۔

خلوص وبے لوثی، تواضع وانکساری، اپنائیت وہمدردی، دلپذیر طرزِ تکلم وحسن بیانی، ابتسام وشگفتہ مزاجی، دل آویزی ودلکشی، حسنِ اخلاق وخاطرداری ان کے ایسے اوصاف ہیں جن کا اعتراف ہر اس شخص کو ہوگا جو ان سے ملاقات کر چکا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ ان کی یادداشت بلا کی ہے۔ جب کسی سے ایک بار ملاقات ہو جائے تو اسے ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔

آپ کی علمی اور دینی خدمات کا دائرہ کئی دہائیوں پر محیط اور پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ خاصی تعداد میں ایسی مستند کتابیں تحریر فرما چکے ہیں جن کا حوالہ سند کے طور پر دیا جاتا رہے گا۔ آپ کی گفتگو میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر تاثیر رکھی ہے کہ دل میں اتر جاتی ہے اور سامعین کی آنکھیں نم اور دل پر عجیب رقت طاری ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو یہ صلاحیت بھی بدرجہ اتم عطا فرما رکھی ہے کہ آپ مخاطبین اور سامعین کی استعداد کے مطابق بات کرتے ہیں۔

دفاع وابلاغ دین اور فروغِ عشق مصطفیٰ ﷺ آپ کی زندگی کا مطمع نظر ہے اور آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اسی جدجہد میں گزر رہا ہے۔ تقریر وتحریر کے ذریعے اسلام کا دفاع، اسلامی عقائد کی وضاحت اور عقائد کے بارے میں پیدا کردہ ابہامات اور غلط

فہمیوں کے ازالے کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ہر تقریر و تحریر مربوط، مضبوط اور باحوالہ ہوتی ہے۔ آپ کی تقریر و تحریر کے مآخذ میں سب سے پہلے قرآن مجید، پھر احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ، اقوالِ تابعین و تبع تابعین کے بعد ائمہ کا نقطہ نگاہ اور ان کی اصل کتابوں کے مکمل حوالہ جات ہوتے ہیں۔ آپ اپنا نقطہ نگاہ انتہائی اعتماد اور وضاحت سے بیان کرنے کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ کی تقریریں اور تحریریں آپ کے تبحرِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کا مطالعہ، قرآن مجید، تفاسیر، احادیث کے بڑے بڑے مجموعوں کو محیط ہے۔ وسعتِ نظر، بلند خیالی اور نقطہ نگاہ میں گہرائی آپ کے بنیادی اوصاف میں شامل ہے۔

آپ کے اہم کارناموں میں سے ایک اسلامی تجدیدی و احیائی تحریک منہاج القرآن کا قیام ہے۔ جو دنیا کی سب سے بڑی اور بین الاقوامی سطح کی غیر سرکاری تعلیمی، فلاحی و رفاہی تنظیم ہے۔ تحریک منہاج القرآن تعلیمی، فکری، علمی، عملی، فنی وادبی اور تمام دینی وعصری میدانوں میں خدمات سرانجام دینے کے لئے ماہر و باصلاحیت افراد تیار کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔ تحریک منہاج القرآن جو 1980ء میں محض ایک کونپل کی حیثیت رکھتی تھی، اب نہ صرف سرزمین پاکستان بلکہ پوری دنیا میں تعلیم و تربیت کا ایک ایسا تن آور درخت بن کر نمایاں ہوئی ہے کہ جس کی جڑیں مضبوط، جس کی شاخیں وسیع اور جس میں علوم وفنون کے مہکتے پھول چہار دانگ عالم میں اپنی خوشبو پھیلا رہے ہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کا وجود ایک غنیمت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور ان کے تعلیمی و تربیتی سلسلہ میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁

ڈاکٹر محمد افضل قادری کو پی ایچ ڈی کی تکمیل پر مبارکباد

گزشتہ ماہ فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ (FMRi) کے سینئر ریسرچ اسکالر محترم ڈاکٹر محمد افضل قادری نے Ph.D کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ نے آزاد تجارت کا اِسلامی تصور اور مسلم ممالک کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ معروف ماہرِ معیشت پروفیسر ڈاکٹر محمد نواز الحسنی (The University of Lahore) کے زیرِ نگرانی مکمل کیا۔

پانچ ابواب پر مشتمل اس تحقیقی مقالہ میں آزاد تجارت کا آغاز و اِرتقا، تاریخ اسلام میں بین الاقوامی تجارت کے مراکز، آزاد تجارت کے فروغ کے لیے عالمی اِداروں کا کردار، آزاد تجارت کے فوائد و نقصانات، ڈیجیٹل ٹریڈنگ، فیوچر ٹریڈنگ، پرائس کنٹرول، اسلامی عہد میں آزاد تجارت کے مماثل تصورات، آزاد تجارت سے متعلق علمائے اسلام کی آراء، مسلم دنیا کا تجارتی اشتراک اور حائل رکاوٹیں، مشترکہ تجارتی منڈی اور عالم اسلام، مشترکہ بنک کا قیام، مشترکہ کرنسی کا اجراء اور آزاد تجارت کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، چیئرمین سپریم کونسل MQI ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، جملہ مرکزی قائدین تحریک، اساتذہ کرام کالج آف شریعہ اور FMRi کی طرف سے محترم ڈاکٹر محمد افضل قادری کو اس اعلیٰ تعلیمی اعزاز پر مبارکباد دی گئی اور دعاؤں سے نوازا گیا۔

محترم ڈاکٹر محمد افضل قادری کو اعلیٰ ترین اعزاز کے ساتھ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے پر خصوصی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان کی مزید ترقی و کامیابی کے لیے دعا گو ہیں۔

علمی انداز اور شگفتگیٔ بیان شیخ الاسلام کی شخصیت کا نمایاں پہلو

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم کے ساتھ ایک نشست کے احوال

جاوید ندوی (گلاسگو)

علامہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب قبلہ سے واقفیت دو تین دہائیوں سے ہے، تاہم ان کی تحریروں تک رسائی اور استفادے کی توفیق چند سال پیشتر ہوئی جب ہماری اپنے پڑوسی علامہ شاہد بابر صاحب سے رسم و رواہ بڑھی۔ مجھے اپنے آپ پر افسوس ہوا کہ میں کیوں خواہ مخواہ **کل حزب بما لدیھم فرحون** کا مصداق بن کر ایک عظیم سکالر سے استفادے کے مواقع گنواتا رہا۔ آج سے قریب تین سال قبل ڈاکٹر صاحب قبلہ گلاسگو تشریف لائے، منہاج القرآن نے ان کے اعزاز میں ایک اجتماعِ عام کا انعقاد کیا، جس میں شہر کے بے شمار افراد شریک ہوئے۔ یوکے اسلامک مشن گلاسگو سے بھی ایک وفد گیا جس میں راقم شامل تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب قبلہ کا خطاب سارے شرکاء نے انتہائی انہماک سے سنا۔ خطاب کے اختتام پر میزبانوں نے مختلف مساجد کے وفود کی ملاقات ڈاکٹر صاحب قبلہ سے کرائی۔ راقم کو بھی مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا جس کا دورانیہ پانچ سے دس سیکنڈ کا رہا ہوگا۔ میرے عقب میں بہت سارے لوگ اپنی باریوں کا انتظار کررہے تھے اور یہ انتہائی ناشائستگی ہوتی اگر میں دوسروں کے لیے باعثِ زحمت بنتا، چنانچہ میں خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

آج سے ایک ہفتہ قبل علامہ شاہد بابر صاحب نے یہ نوید سنائی کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ گلاسگو تشریف لارہے ہیں پھر انہوں نے ازراہِ کرم آج کے دن اپنے گھر آنے اور ڈاکٹر صاحب قبلہ سے ملاقات کرنے کی دعوت دی، جسے میں نے فوراً سے پیشتر قبول بھی کرلیا۔ آج وقتِ مقررہ پر علامہ شاہد بابر صاحب کے دولت کدے پر حاضر ہوا، نشست گاہ میں پہلے سے کئی معززینِ شہر تشریف رکھتے تھے، ان سے مصافحہ کرکے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر صاحب قبلہ تشریف لے آئے اور ہر ایک سے فرداً فرداً ملے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے فوراً پہچان لیا۔ مجھے حیرت کا جھٹکا لگا، چند سیکنڈوں کی ملاقات، وہ بھی کئی سال پہلے! عرض کیا: حضرت! آپ کی یادداشت ماشاء اللہ قابلِ رشک ہے۔ وہ مسکرائے اور یادداشت کے موضوع پر کافی دلچسپ باتیں بتائیں۔

گفتگو کا رخ ڈاکٹر صاحب کی زیرِ تالیف ''تفسیرِ قرآن'' کی طرف مڑ گیا، میں نے کچھ سوالات کیے تو جناب اگلے ایک گھنٹے تک حضرت کی زبان سے علم کے موتی جھڑتے رہے اور ان کو چننے والے بس چند ہی لوگ تھے۔ حالانکہ کمرے میں کئی معزز شخصیات بیٹھی ہوئی تھیں، مگر ڈاکٹر صاحب قبلہ کی ساری توجہ میری طرف تھی۔ میں شروع میں کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا مگر کچھ ہی دیر میں جانبین کی آسانی کے لیے قریب کے صوفے پر جا بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اپنی کرسی کا رخ میری طرف موڑ لیا ہے۔ میں تو ان کی باتیں سننے میں مستغرق تھا، مگر ڈاکٹر صاحب کو خیال آیا اور انھوں نے دوسرے شرکاءِ محفل کی طرف توجہ کی اور ان کے مشاغل کے حسبِ حال گفتگو کی مگر پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگئے اور اپنی عالمانہ گفتگو

کا سلسلہ وہیں سے جوڑ دیا جہاں سے منقطع کیا تھا۔

اب آپ پوچھیں گے کہ موضوع کیا تھا؟ سچی بات یہ ہے کہ میرے پاس سلوک اور مدارج کے حوالے سے کچھ سوالات تھے اور خیال تھا کہ اگر موقع ملا تو کوشش کروں گا کہ اپنے اشکالات ڈاکٹر صاحب قبلہ کے سامنے رکھوں مگر اس کی نوبت ہی نہیں آسکی۔ گفتگو ''تفسیر کے مناہج اور اصولِ تفسیر'' پر مرتکز رہی۔ ہوسکتا ہے کہ شگفتگی ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا خاصہ ہو، یہ میری پہلی بالمشافہ گفتگو تھی، اس لیے اس پر تبصرہ نہیں کرسکتا، مگر میں نے محسوس کیا کہ ان کی طبیعت میں بڑا انشراح تھا، میزبان کئی بار ان کو یاد دلا چکے تھے کہ وقت ختم ہوچکا ہے مگر ڈاکٹر صاحب قبلہ بڑے سکون سے بیٹھے اپنی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے محسوس کرلیا ہو کہ ایک سچا طالبِ علم (Knowledge seeker) اپنے سارے ذہنی بوجھ کو دروازے کے باہر رکھ کر اندر داخل ہوا ہے، اس لیے اسے مایوس نہیں کرنا چاہیے۔ وجہ جو بھی ہو مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ وقت کب ختم ہوگیا۔

پھر ہم سب کھڑے ہوگئے، ڈاکٹر صاحب کوئی ذاتی واقعہ سنانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کاروانِ زندگی بھی تالیف کردیں۔ انھوں نے ہنستے ہوئے فرمایا: اس پر کام ہورہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے میرے کندھے کو چھوا، میں نے علامہ شاہد بابر صاحب سے کہا: ڈاکٹر صاحب قبلہ نے مجھے چھولیا ہے، اب میں بھی Blessed ہوجاؤں گا۔ دونوں صاحب نے میرا مدعا سمجھ لیا اور دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

کمرے سے باہر ان کے تلامذہ باادب کھڑے تھے، باہر ان کے جانثاروں کی جمعیت ان کا استقبال کرنے کو موجود تھی۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

❁❁❁❁❁

کارکنان وتنظیمات متوجہ ہوں!

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

تجدید واحیائے دین، دعوت وتبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج واقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ کے لئے کوشاں

ماہنامہ منہاج القرآن

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور تحریک منہاج القرآن کے مصطفوی پیغام کو
اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات
دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات تک پہنچانے کے لئے

سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

انسان اور جذبۂ دوستی

احترام، خوبیوں کا اعتراف اور خامیوں سے صرفِ نظر آدابِ دوستی کے 3 بنیادی اصول ہیں

دوستی کے رشتے میں دوام کیلئے حقوق کے مطالبہ کی بجائے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دیں

ڈاکٹر نعیم مشتاق

زندگی میں ہمیں دوستوں کی ضرورت کیوں پڑتی ہے۔۔۔؟ اس ''کیوں'' پر بے شمار زاویوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے مگر اس سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ دوستی کے جذبہ کی بنیاد جذبۂ محبت ہے۔ یہ سوال کہ انسان کو دوستوں کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے؟ اس میں چھپا ہوا دوسرا سوال یہ ہے کہ انسان کو محبت کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے؟

ہر رشتے کی بنیاد کسی نہ کسی حوالے سے محبت پر ہوتی ہے۔ تعلقات کی نوعیت کی بنیاد پر ہم اس محبت کو مختلف عنوانات سے منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً: کبھی یہ محبت ماں کہلاتی ہے تو کبھی باپ، کبھی بہن تو کبھی بھائی، کبھی عاشق تو کبھی معشوق، کبھی شیخ تو کبھی مرید، کبھی استاد تو کبھی طالب علم۔ الغرض محبت کے بے شمار عنوانات ہیں۔ ہر عنوان کے مطابق محبت کے جذبے کی حدود و شرائط اور حقوق و فرائض مختلف ہیں۔

محبت کے دیگر عنوانات کی طرح دوستی بھی ایک پاکیزہ عنوان ہے جس میں محبت کے جذبے کی حدود اور شرائط اپنے عنوان کے حوالے سے الگ ہیں۔ البتہ ہماری ذہنی پراگندگی اس پاکیزگی کو داغدار کرسکتی ہے وگرنہ دوستی تو زندگی میں ایک دوسرے کو زندہ رہنے میں مدد دینے کا نام ہے۔ انسان بہتر زندگی گزارنے کے لئے دوستی کے رشتے کا محتاج ہوتا ہے۔ دوستوں سے جب ہم اپنے تصورات، خواہشات اور زندگی کے اہم معاملات کی منصوبہ بندی کے متعلق امور پر مشورہ کرتے ہیں تو اس مشورہ کی صورت میں ہمارے علم و تجربہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ معاملات کو ایک نئے انداز سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کے ذاتی تجربوں سے حاصل کیے گئے نتائج سے آگاہی کی بنیاد پر انسان بہتر فیصلے کرنے کی پوزیشن میں آتا ہے۔ ایک دوسرے کے تجربات سے بھی عملاً فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں حلقہ احباب میں جتنی وسعت ہوگی، انسان زندگی کے حقائق و معارف کے متعلق اتنے ہی مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے آگاہ ہوگا۔ یہ امر بالآخر سوچ میں وسعت اور طبیعت میں نرمی و شفقت کا باعث ہوگا۔ انسان اپنی تنگ نظری سے بھی چھٹکارا پاتا ہے بشرطیکہ زندگی کے متعلق اس کا اپنا نقطہ نظر مثبت ہو تاکہ وہ دوسروں کے افکار و نظریات سے فائدہ اٹھا سکے۔

آدابِ دوستی

آیئے! اب ان چند ایک خوبیوں کا مطالعہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان اچھا دوست کہلا سکتا ہے:

ا۔ خوبیوں پر نظر

آدابِ دوستی میں سے پہلا ادب یہ ہے کہ اپنے دوست کی خوبیوں کو سب کے سامنے سراہیں مگر خامیوں کو صرف اور صرف علیحدگی میں بغرضِ اصلاح اس سے بیان کریں۔ حقیقی

nmushtaq786@gmail.com ☆

دوست وہی ہے جو اپنے دوست کی عزت کو اپنی عزت سمجھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایسے پڑوسی سے اللہ کی پناہ مانگو کہ وہ تمہاری نیکی دیکھے تو چھپادے اور اگر تمہاری برائی دیکھے تو اسے سب پر ظاہر کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ بھی نیک بندوں کے ساتھ حقِ دوستی اس طرح ادا کرے گا کہ انہیں روزِ محشر اپنے پردہ رحمت میں لے کر حساب کتاب کرے گا تاکہ میرے نیک بندے کی خامیاں کسی اور پر عیاں نہ ہوں۔ اللہ ایسا اپنے دوست کی عزتِ نفس کی حفاظت کی خاطر کرے گا۔

اچھے دوست ایک دوسرے کی کسی مخصوص عادت کو اس کا کردار نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ کردار تو بے شمار عادات سے مل کر بنتا ہے۔ اچھی عادات کی کثرت کے جھرمٹ میں سے کوئی ایک آدھ بری عادت کی بنیاد پر ہم کسی کو بدکردار نہیں کہہ سکتے۔ ہم سب اپنی شخصیت میں کمزوریاں رکھتے ہیں۔ دوستی نام ہی اس رشتے کا ہے کہ خامیوں سے آگاہی کے باوجود خوبیوں کی بنیاد پر محبت کی جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اچھے دوستوں کی وجہ سے کئی لوگوں نے اپنی بری عادات چھوڑ دیں، یہی اچھی دوستی کی برکت ہے۔

۲۔حقوق کی ادائیگی

دوستی کے رشتے میں دوام کیلئے ضروری ہے کہ اپنے حقوق کے مطالبہ کے بجائے اپنے فرائض کی ادائیگی پر دھیان رکھیں اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت مت برتیں۔ انسان کو ایک لحاظ سے ہوشیار اور ایک لحاظ سے بے آزار ہونا چاہیے۔ ہوشیار اس لیے کہ کوئی اسے بے وقوف نہ بنا سکے، اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے ہوشیار ہو مگر اس ہوشیاری کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت میں رحمت و شفقت کا پہلو بھی اس قدر غالب ہو کہ دوسرے اسے بے آزار اور علامتِ امن سمجھیں۔ یعنی دوسرے لوگوں کو اس کی رفاقت اور دوستی میں اپنے حقوق کے چھن جانے کا خوف نہ ہو۔

کبھی کبھار زندگی میں ایسے بھی مواقع آتے ہیں جب ہمیں قربانی دے کر دوستی کے مقدس رشتے کو بچانا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع

ہم جب دوسروں کے عیب دیکھتے رہیں گے تو ہمیں ہر دوسرا برا دکھائی دے گا اور اگر ہم دوسروں کی نیکی اور اپنی بدعملی پر نظر رکھنے کا طریقہ اپنا لیں تو ہمارے لیے اچھے دوست تلاش کرنا مشکل نہیں

پر اگر کبھی قربانی دینی ہی پڑے تو انسان کو اپنے مفادات اور حقوق اپنے دوست کے فائدے کے لیے قربان کرنا چاہییں۔ پھر دیکھیے گا کہ نیت کی پاکیزگی اور خلوصِ دل سے دونوں کی سطحی قربت گہری محبت میں کیسے بدلتی ہے۔

۳۔کردار، عزت و احترام کی بنیاد

ہر کوئی اپنی عزت کروانا چاہتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ عزت و احترام ہی کسی رشتے میں بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آدابِ دوستی میں یہ امر انتہائی اہم ہے کہ ہمارے دل میں اپنے دوستوں کے لیے عزت و احترام کی بنیاد ان کے کردار پر ہو، ان کے حالات پر نہیں۔

یاد رکھیے! کسی کے خراب حالات اس کے خراب کردار کی علامت نہیں ہوتے۔ وگرنہ نیک لوگوں پر مصائب و آلام کی حکمت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ مصیبتیں تو نصابِ عشق و محبت کا حصہ ہوتی ہیں۔ انسان جتنا نیک اور متقی ہوتا ہے، اللہ اتنا ہی اسے مصائب و آلام سے گزار کر بلند سے بلند تر کرتا چلا جاتا ہے۔ اللہ اپنے چاہنے والوں کو مصیبتوں اور پریشانیوں کے پردہ میں چھپا کر رکھتا ہے تاکہ مفاد پرست اور گھٹیا لوگوں کی نظرِ بد سے بچا رہے۔ مصیبتوں اور پریشانیوں کے پردہ سے گزر کر شخصیت میں چھپی ہوئی خوبیوں کی بنیاد پر رشتۂ دوستی استوار کرنا گوہر شناسوں کا ہی کام ہے۔

خراب حالات کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ دوسروں کی بے وفائی کی وجہ سے بھی تو خراب حالات آ سکتے ہیں، یعنی کسی نیک انسان کی نیکی سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے پر بھی اس نیک انسان پر برے حالات آ سکتے ہیں۔ ہم نے کسی سے بھلا کرنا چاہا تو اس نے اس بھلائی کا جواب برائی سے دیا، اس وجہ سے بھی تو خراب حالات آ سکتے ہیں۔ ہیرا ہمیشہ کوئلہ کی کان میں چھپا ہوتا

ہے۔ صرف ہیرا پہچاننے والی آنکھ ہی پہچان سکتی ہے کہ ہیرے اور کوئلے میں کیا فرق ہے؟ اگر کسی کو خراب حالات اور خراب کردار میں فرق محسوس نہیں ہوتا تو اس میں قصور اُس شخص کا نہیں بلکہ اس کی نظر کا ہے۔ اندھے کو دن میں بھی اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ یاد رکھیں! غریبی اور امیری کردار جانچنے کا معیار ہرگز نہیں ہے۔

۴۔ باہمی نظریاتی اختلافات کو برداشت کرنا

دوسروں کے عقائد و نظریات کا ذاتی اختلاف کے باوجود احترام کرنا ہی انسانیت ہے۔ دوستی دوستوں کے احساسات و جذبات پر حاوی ہونے یا انہیں خریدنے کا نام نہیں بلکہ یہ تو رشتۂ محبت و احترام استوار کرنے کا نام ہے۔ کیا اللہ کی ذات سے بڑھ کر کوئی غیرت مند ہے؟ وہ بھی تو اپنی مخلوق کے اپنی ذات کے متعلق غلط عقائد و نظریات کے باوجود ان کی پرورش اور دعا قبول کرتا ہے۔

انسان کو اپنے رویے میں کم از کم پالتو جانوروں سے تو بہتر ہونا چاہیے جو اپنے دوست (مالک) کی ناراضگی کے باوجود اس سے رشتہ نہیں توڑتے اور ہم اپنے دوست سے نظریاتی اختلافات کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے قطع کلامی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

۵۔ دوست کی رضا مقدم رہے

آدابِ دوستی میں اس امر کو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے جب ہم اپنی کسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اپنے کسی دوست کے ساتھ اس ذمہ داری کو شیئر (share) کرنا چاہیں تو ہمیشہ اس کی رضا کے مطابق فیصلہ کریں۔ جہاں محبت ہو وہاں زبردستی نہیں ہوتی۔ لہٰذا کبھی

''بہترین دوست'' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہیں بنتا بلکہ قربانی سے بنتا ہے۔ جو وقتِ آزمائش ہمارے لیے اپنا مفاد قربان کر دیں وہی ''بہترین'' ہیں، خواہ ان سے ملاقات ہوئے چند لمحے ہی ہوئے ہوں

دوستی کے رشتے میں دوام کیلئے ضروری ہے کہ اپنے حقوق کے مطالبہ کے بجائے اپنے فرائض کی ادائیگی پر دھیان رکھیں اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت مت برتیں

اپنے دوستوں پر ایسی ذمہ داری نہ ڈالیں جسے وہ ناپسند کریں اور اس کی ادائیگی اس کے لیے مشکل کا باعث بن جائے۔

۶۔ تحائف کا تبادلہ

تحائف علاماتِ محبت میں سے ایک علامت ہے۔ تحفے سے ہماری مراد کوئی نہایت قیمتی شے نہیں بلکہ یہ پیاری سی مسکراہٹ سے لے کر کوئی خوبصورت پوسٹ کارڈ تک ہو سکتا ہے۔ تبادلۂ تحائف میں اصل قیمت تو اس جذبۂ محبت اور خیر سگالی کی ہے جس کے تحت وہ تحفہ دیا جا رہا ہے۔ تحفہ تو محض علامت ہے۔ تحائف کی قیمت کا اندازہ لگانے والے قدر شناس لوگ نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ قدر شناسی نظر کی محتاج ہوتی ہے، تحفہ کی نہیں۔

تحائف کا تبادلہ وقتاً فوقتاً کرتے رہا کریں۔ اس سے قلبی محبت بڑھتی ہے۔ چھپی ہوئی محبتوں کا اظہار اعمال سے ہی ہوتا ہے، تحفہ بھی اظہارِ محبت کا ایک عمل ہے۔

۷۔ مشورہ دیں، فیصلہ نہ سنائیں

جب کبھی ایسا موقع آ جائے کہ ہمیں اپنے کسی دوست کو مشورہ دینا پڑ جائے تو مشورہ دیتے وقت مخلص رہیں وگرنہ مشورہ، مشورہ نہیں رہے گا۔ یاد رکھیے! مشورہ سنت نبویﷺ ہے اور جو شخص حضورِ قلب اور خالص نیت سے سنت ادا نہیں کرتا، وہ ایک تو سنت پر عمل پیرا ہونے کی برکت سے محروم رہ جاتا ہے اور دوسرا گناہگار بھی ہوتا ہے۔ مشورہ لینا اور مشورہ دینا دوستی کے رشتے میں مزید محبت بڑھانے کا سبب ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ مشورہ اور فیصلہ میں فرق ہے۔ ہم سے مشورہ مانگا گیا ہے، فیصلہ نہیں۔ فیصلہ کرنے کا اختیار اپنے

دوست پر چھوڑ دیں اور پھر اس بات کا اختیار بھی اپنے دوست پر چھوڑ دیں کہ وہ فیصلہ ہمارے مشورہ کی بنیاد پر کرتا ہے یا کسی اور کے مشورہ کی بنیاد پر۔ فیصلہ کرنے کی آزادی کبھی کسی دوست سے نہیں چھیننی چاہیے۔ جب آپ دوسروں کے لیے فیصلہ کی ذمہ داری نہیں لیں گے تو بے شمار الزامات اور بعد ازاں جواب دہی سے بھی محفوظ رہیں گے۔

۸۔ اعتماد کرنا سیکھیں!

اچھے دوست اپنے دوستوں کی جاسوسی نہیں کرتے اور ان کے حالات معلوم کرنے کی ٹوہ میں نہیں لگے رہتے۔ ان کے لیے ان کے دوستوں کا کہنا ہی کافی ہوتا ہے۔ محض دوست کے لفظوں پر اعتماد کر لینا ہی تو محبت اور دوستی کی علامت ہے۔ انسان کو جب اپنی ذات پر اعتماد ہو تو وہ دوسروں پر بھی اعتماد کرنا پسند کرتا ہے۔ کمینی فطرت کے لوگ ہی دوسروں کی جاسوسی کر کے جھوٹے اعتماد کے قلعوں میں پناہ لیتے ہیں۔ حقیقی خود اعتمادی دوسروں پر اعتماد قائم رکھنے کا نام ہے اور ایک صحت مند ذہن کی علامت بھی۔

ہمارے بے شمار معاملاتِ زندگی میں پریشانی ہماری غلط فہمیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ اچھے دوست غلط فہمیوں سے بچنے کے لیے وسوسوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے براہِ راست گفتگو کے ذریعے معاملات واضح کر لیتے ہیں تاکہ محض توقعات کے بھروسہ پر کوئی ایسا غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں جس سے رشتہ دوستی متاثر ہو۔

۹۔ تکلّفات سے اجتناب

یاد رکھیں کہ بدترین ہے وہ دوست جس کی خاطر تکلّف کرنا پڑے۔ تکلّف محبت کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسی

آدابِ دوستی میں یہ امر انتہائی اہم ہے کہ ہمارے دل میں اپنے دوستوں کے لیے عزت و احترام کی بنیاد ان کے کردار پر ہو، ان کے حالات پر نہیں

حلقہ احباب میں جتنی وسعت ہوگی، انسان زندگی کے حقائق و معارف کے متعلق اتنے ہی مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے آگاہ ہوگا۔ یہ امر بالآخر سوچ میں وسعت اور طبیعت میں نرمی و شفقت کا باعث ہوگا

لیے اگر ضرورت سے زیادہ تکلّف کیا جائے تو اس سے اجنبیت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر جتنا حق تھا، اس سے کم کیا تو پھر نفرت پیدا ہوتی ہے۔ تکلّف اپنی ذات میں بری شے نہیں، اس کا غلط استعمال برا ہے۔ میانہ روی زندگی کا حسن ہے۔

تکلّف سے مراد کیا ہے؟ یہ بھی سمجھ لیں۔ تکلّف سے مراد وہ کام ہے جو اس وقت سرانجام دیا جائے جب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ضرورت پڑنے پر تکلّف سے کام لینا برا نہیں مگر رشتۂ دوستی میں تکلف بہ انداز مہمان نوازی تو ٹھیک ہے مگر اسے ہر وقت اپنائے رکھنے سے اپنائیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اچھے دوست اپنے دوستوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں، تکلف سے نہیں۔

یاد رکھیں کہ دو لوگوں کے درمیان دوستی ہوتی ہی تب ہے جب دونوں میں کچھ صفات مشترک پائی جائیں۔ قرآن مجید نے اس اصول کو صدیوں پہلے پیش کر دیا تھا کہ:

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ. (النور، ۲۴: ۲۶)

''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے (مخصوص) ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے لئے ہیں، اور (اسی طرح) پاک و طیب عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے (مخصوص) ہیں اور پاک و طیب مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں۔''

یعنی جو جیسا ہے، وہ ویسا ہی دوست پسند کرتا ہے، اسی لیے تو کہتے ہیں کہ آدمی اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔

۱۰۔ دوستوں کی مدد کرنا سیکھیں

نیت اگر واقعی مدد کرنے کی ہو تو انسان پھر طریقوں اور راستوں کا محتاج نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ خود بخود راستے بنا دیتا ہے۔ انسان اگر کسی کی مدد ہی نہ کر سکے تو پھر کم از کم حسنِ نیت ضرور

حلقہ احباب میں وسعت سے انسان اپنی تنگ نظری سے چھٹکارا پاتا ہے بشرطیکہ زندگی کے متعلق اس کا اپنا نقطہ نظر مثبت ہو تاکہ وہ دوسروں کے افکار ونظریات سے فائدہ اٹھا سکے

رکھے، مگر ہمارا حال تو یہ ہے کہ مدد بھی نہیں کرنی اور دل ہی دل میں وجوہات سوچنی شروع کر کے اپنے دوست کے امیج کو اپنی نظروں میں خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کرتے ہوئے ہم سوچتے نہیں کہ اس میں دوست کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ بے چارہ تو اپنی مشکل کسی نہ کسی طرح حل کرلے گا مگر ہم اپنی ذہنی پراگندگی کی وجہ سے ایک مخلص دوست سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ زندگی میں اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کی تمیز اس طرح بھی کرواتا ہے کہ ایک دوست کو مصیبت میں مبتلا کر کے دوسرے دوست کو مدد کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مدد کئی طرح سے کی جا سکتی ہے: کبھی گفتگو میں دوست کے مؤقف کی حمایت کر کے بھی مدد کی جا سکتی ہے۔۔۔ بوقتِ ضرورت قرضِ حسنہ۔۔۔ بوقتِ مشکل ساتھ چل کر حوصلہ افزائی کرنا۔ یہ مدد کی مختلف شکلیں ہیں مگر سب سے بہتر اور اعلیٰ مدد کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے دوست کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرے۔۔۔ اس کی لغزشوں پر پردہ ڈالے۔۔۔ باہمی معاملات میں بوجہ تنگی اس کی مجبوری کے عذر کو قبول کرے۔۔۔ بوقتِ پریشانی حوصلہ افزاء گفتگو سے دوست کے جذبۂ خود اعتمادی کو قائم رکھنا بھی مدد کی ایک اعلیٰ صورت ہے۔ اس لئے کہ حوصلے اگر قائم رہیں تو انسان ہر مصیبت و پریشانی پر آسانی سے قابو پا لیتا ہے۔

بہترین دوست کون ہے؟

عام طور پر ہم اپنا بہترین دوست اسے خیال کرتے ہیں جو بچپن سے ہمارا دوست چلا آ رہا ہوتا ہے یا اس سے دوستی ہوئے کئی سال ہو چکے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ہم ٹائم پیریڈ کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں، کردار کے معیار پر نہیں۔ درست معیار یہ ہے کہ بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو مصیبت یا پریشانی کے وقت ہمارے کام آئے، ہمیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ نہ جائے۔ دیکھنے میں تو ایسا بھی آیا ہے کہ بچپن کے دوست اچانک کسی معاملہ پر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کو خیر باد کہہ گئے۔

یاد رکھیے! ''بہترین دوست'' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہیں بنتا بلکہ قربانی سے بنتا ہے۔ جنہوں نے وقتِ آزمائش ہمارے لیے اپنا مفاد قربان کر دیا وہی ''بہترین'' ہیں، خواہ ان سے ملاقات ہوئے چند لمحے ہی ہوئے ہوں۔ کسی کو ''جاننے'' اور ''پہچاننے'' میں فرق ہوتا ہے۔ ''جاننا'' تو کوئی مشکل کام نہیں، یہ وقت کے چند لمحوں کا محتاج ہے مگر ''پہچان'' بغیر قربانی کے نہیں ہوتی۔ ''پہچان'' وقتِ آزمائش کی محتاج ہوتی ہے۔ کردار شناس لوگ جاننے اور پہچاننے میں فرق خوب سمجھتے ہیں۔

کیا اچھے دوست ملنا مشکل ہیں؟

جی ہاں! اچھے دوست ملنا اس لیے مشکل ہے کیونکہ ہم اپنا بیشتر وقت دوسروں پر نکتہ چینی اور تنقیدی مشاہدے میں گزار دیتے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہم جب دوسروں کے عیب دیکھتے رہیں گے تو ہمیں ہر دوسرا برا دکھائی دے گا اور اگر ہم دوسروں کی نیکی اور اپنی بدعملی پر نظر رکھنے کا طریقہ اپنا لیں تو ہمارے لیے اچھے دوست تلاش کرنا مشکل نہیں۔

یاد رکھیے! ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر استحصال زدہ معاشرہ ہے۔ ہر شخص بالعموم ظلم و ناانصافی کی چکی میں پس رہا ہے۔ چنانچہ ہمارے دن کا بیشتر حصہ ردِعمل کے سیلاب میں ضائع ہو جاتا ہے۔ وگرنہ دوسروں میں اچھائی تلاش کر کے اس کی بنیاد پر رشتۂ دوستی استوار کرنا کوئی مشکل تو نہیں، فقط تبدیلیٔ نظر کا معاملہ ہے۔ کبھی آزما کر تو دیکھیے، مشکل ضرور ہے مگر اچھے دوستوں کی صورت میں اس کا انعام بھی تو موجود ہے۔

❁❁❁❁❁

22 کروڑ کی آبادی میں 6 کروڑ 10 لاکھ شہری نیٹ یوزر ہیں

کروڑوں سوشل میڈیا ایکٹوسٹس کی گائیڈ لائن کیلئے کوئی جامع کتاب دستیاب نہیں

سوشل میڈیا کے موضوع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی تحقیقی کتاب جلد شائع ہو گی

نوراللہ صدیقی

اس وقت 22 کروڑ 3 لاکھ آبادی والے ملک پاکستان کی 73 فیصد آبادی موبائل استعمال کرتی ہے۔ یہ 10 کروڑ 73 لاکھ بنتے ہیں۔ پاکستان میں 6 کروڑ 10 لاکھ لوگ نیٹ استعمال کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا کی مختلف سائٹس پر 4 کروڑ 60 لاکھ لوگ متحرک ہیں۔ ان میں اکثریت نوجوانوں کی ہے۔ 2021ء میں پاکستان کے 46 لاکھ لوگ ڈیجیٹل میڈیا ورلڈ کا حصہ بنے۔ جو مختلف سوشل ٹولز پر ایکٹوسٹس کے طور پر اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ پاکستان میں 98 فیصد لوگ موبائل کے ذریعے سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح لیپ ٹاپ، ڈیسک ٹاپ اور ٹیب پر 22 فیصد لوگ نیٹ سروسز استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں 4 کروڑ شہری فیس بک استعمال کرتے ہیں۔ 3 کروڑ 60 لاکھ شہری یوٹیوب کے وزیٹرز ہیں۔ پاکستان میں انسٹا گرام استعمال کرنے والوں کی تعداد 1 کروڑ 10 لاکھ ہے۔ سنیپ چیٹ یوزر 60 لاکھ ہیں۔ پاکستان میں ٹویٹر پر ایکٹو کردار ادا کرنے والے شہریوں کی تعداد 20 لاکھ ہے۔ فیس بک میسنجر ایک کروڑ 20 لاکھ شہری استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں ٹک ٹاک استعمال کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

سوشل میڈیا 21 ویں صدی کا ایک ایسا کھلا سمندر ہے جس میں ہر شخص اپنی ہمت کے مطابق غوطہ زن ہو کر اپنے حصے کے سیپ اور موتی نکال سکتا ہے۔ یہ استعمال کی نیت پر منحصر ہے کہ وہ کیا نکالنا چاہتا ہے۔ یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ شرح خواندگی کم ہونے کے باوجود پاکستان میں سوشل میڈیا اور نیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس تعداد میں زیادہ حصہ نوجوانوں کا ہے۔ اس وقت ہماری نئی نسل سوشل میڈیا کے ذریعے معلومات حاصل کرتی ہے۔

اگرچہ سوشل میڈیا کے بہت سارے فوائد بھی ہیں مگر اس کے نقصانات کی بھی بہت ساری اقسام ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ اگر دیکھیں تو وہ برق رفتار معلومات اور علوم کے ذخائر تک رسائی ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر دستیاب مواد کو آنکھیں بند کر کے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ بہت سارے فرقہ وارانہ گروہ، انتہا پسندی کو فروغ دینے والے گینگز اور قرآن و سنت کے تراجم میں تحریف کرنے والے فکری دہشت گرد بھی سوشل میڈیا پر متحرک رہتے ہیں بلکہ انتہا پسندانہ جذبات کو فروغ دینے والے گروہوں نے سوشل میڈیا کو بطور ہتھیار استعمال کیا ہے۔

بہت سارے ملک اور اس کی ایجنسیز اپنے مخالف ملک کو نقصان پہنچانے کے لئے بھی سوشل میڈیا کا استعمال کرتی ہیں۔ کسی ملک میں نظریاتی دہشت گردی کرنی ہو یا غلط فہمیاں پیدا کرنی ہوں، داخلی اتحاد اور امن کو نقصان پہنچانے کے لئے بھی سوشل میڈیا کو استعمال کیا جاتا ہے۔ رائے عامہ ہموار کرنے اور برباد کرنے میں سوشل میڈیا نے اپنی حیثیت مسلّمہ بنا لی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے کالم نویس اور اینکر پرسن نیشنل

ہمیشہ کی طرح ہر ایک حوالے سے قوم و ملت کو درست رہنمائی فراہم کرنے میں پیش پیش منہاج القرآن انٹرنیشنل سوشل میڈیا کے استعمال کی اخلاقیات کے موضوع پر بھی کلیدی کردار ادا کر رہی ہے

میڈیا اور پرنٹ میڈیا کی بجائے یوٹیوب اور فیس بک پر زیادہ متحرک نظر آتے ہیں اور ان کی ویوورشپ ملینز کے اعداد و شمار کو چھوتی ہے۔ کاروباری، سیاسی، سماجی، صحافتی، ثقافتی، ادبی حلقے سوشل میڈیا کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اب تو مذہبی حلقے بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ مذہبی جماعتوں اور تحریکوں نے بھی سوشل میڈیا کو دعوتی ٹول کے طور پر استعمال کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ سوشل میڈیا فکر کے فروغ اور وسائل کے حصول کے لئے بھی ایک کارآمد ٹول کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔

سوشل میڈیا ایک شتر بے مہار میڈیم ہے جسے کنٹرول کرنا کسی ریاستی ادارے کے بس میں نہیں ہے۔ فیک اکاؤنٹس اور فیک آئی ڈیز کے ساتھ کچھ حلقے اور لوگ متحرک ہوتے ہیں اور منفی سوچ کے ساتھ سوسائٹی کے امن کو تہ و بالا کرتے ہیں۔ یہ مشہور عام مقولہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ آج سے 20 سال قبل کسی نے نہیں سوچا تھا کہ اظہار رائے کے ایس او پیز تبدیل ہو جائیں گے اور کنٹرولڈ اظہار رائے ممکن نہیں رہے گا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو کنٹرول کرنے والے ادارے بھی سوشل میڈیا کو کنٹرول کرنے میں بے بس نظر آئیں گے۔

سوشل میڈیا اب ایک حقیقت ہے۔ اس سے پہلو تہی ممکن نہیں رہی۔ اس کا اخلاقی اور قانونی استعمال آج کے دور کی سب سے بڑی بحث ہے۔ جب بھی کسی ایجاد اور سہولت کو مناسب تربیت کے بغیر استعمال میں لایا جاتا ہے تو اُس کے بہت سارے مضمرات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ ہمارے نوجوان سوشل میڈیا کا استعمال بھی بغیر کسی مناسب تربیت کے کر رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج کسی ادارے، کسی جماعت اور کسی شخصیت کی پگڑی سلامت نہیں رہی۔ الیکٹرانک میڈیا ہو، پرنٹ میڈیا ہو اس پر ظاہر ہونے والے خبر باقاعدہ ایک ایڈیٹنگ سسٹم سے گزرتی ہے جبکہ سوشل میڈیا کے لئے ایسی کوئی قدغن نہیں ہے، جس شخص کے پاس بھی موبائل ہے اور اس کا فیس بک، ٹویٹر یا انسٹا گرام اکاؤنٹ ہے وہ اپنے فہم کے مطابق اُس کا بے دھڑک استعمال شروع کر دیتا ہے اور جو وہ سمجھتا ہے وہی اس کے نزدیک متوازن ردعمل ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر نوجوانوں کے ظاہر کئے گئے ردعمل اور اظہار رائے ان کے شخصی جذبات کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ جذبات اچھے ہیں یا برے، یہ ایک الگ بحث ہے مگر وہ یکطرفہ ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ سوشل میڈیا کے اخلاقی اور قانونی استعمال کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں؟ یہ بھی لمحہ فکریہ ہے کہ ہم ایک دہائی سے سوشل میڈیا کی تعمیری اور تخریبی سرگرمیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں مگر اس پر توجہ نہیں دی گئی کہ نوجوانوں کی اس معاملے میں تربیت کے لئے کوئی کردار ادا کیا جائے۔ اگر ہم بک شاپس پر جائیں تو ہمیں سوشل میڈیا کے موضوع پر نہ ہونے کے برابر کتب ملتی ہیں۔ زیادہ تر کتب کا تعلق صحافتی ٹیکسٹ سے ہے اور ان کا مزاج تدریسی ہے جبکہ سوشل میڈیا کے کھلے عام استعمال کے ضمن میں اخلاقی موضوعات پر ہمیں کوئی کتاب نہیں ملتی۔ مختلف اوقات کار میں آرٹیکلز شائع ہوتے ہوئے ہمیں نظر آتے ہیں مگر کتابی صورت میں ہمیں اس موضوع پر کوئی جامع کتاب نہیں ملتی۔

ہمیشہ کی طرح ہر ایک حوالے سے قوم و ملت کو درست رہنمائی فراہم کرنے میں پیش پیش منہاج القرآن انٹرنیشنل سوشل میڈیا کے استعمال کی اخلاقیات کے موضوع پر بھی سامنے آئی ہے۔ اس ضمن میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اس موضوع پر ایک جامع کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب موضوع اور مواد کی افادیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہوگی۔ اس کتاب میں اس بات پر فوکس کیا گیا ہے کہ سوشل میڈیا کے استعمال کی اخلاقی ضرورت کو اجاگر کیا جائے اور نوجوانوں میں سوشل میڈیا

کے مثبت استعمال کی تحریک پیدا کی جائے اور انہیں سائبر اور ففتھ جنریشن وار سے بچایا جائے۔ سوشل میڈیا ایکٹوسٹس کو ایک مبلغ بنایا جائے تاکہ وہ سوشل میڈیا کے ذریعے خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ہیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ایچی سن کالج اور پی اے ایف انٹرمیڈیٹ کالج لاہور سے حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ''لاء گریجوایشن'' کی ڈگری مکمل کی۔ آپ نے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن لاہور سے 7 سالہ علوم شریعہ کی تکمیل کی اور منہاج یونیورسٹی لاہور سے ''ماسٹران عربیک اینڈ اسلامک سائنسز'' کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے سٹی یونیورسٹی لندن سے مینجمنٹ سائنسز میں ایم ایس سی کیا۔ سٹی یونیورسٹی لندن کے Cass بزنس سکول سے '' Organizational Behaviour and Devolopment'' میں سپیشلائزیشن کی۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے مصر کی ''عرب لیگ یونیورسٹی'' سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کا مقالہ ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل تھا جس کا موضوع ''دستور ریاست مدینہ کا جدید امریکی، برطانوی اور یورپی دساتیر سے تقابلی وتحقیقی جائزہ'' ہے۔

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے عرب وعجم کے معروف اہلِ علم حضرات سے کسبِ علم وفیض کیا۔ آپ کو عالم عرب کی ممتاز علمی شخصیت امام یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ سے ''الشیخ حسین بن احمد عُسَیران اللبنانی'' کے صرف ایک واسطے سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ نے شام کے جید شیوخ و

سوشل میڈیا کا اخلاقی اور قانونی استعمال آج کے دور کی سب سے بڑی بحث ہے۔ جب بھی کسی ایجاد اور سہولت کو مناسب تربیت کے بغیر استعمال میں لایا جاتا ہے تو اُس کے بہت سارے مضمرات بھی ظاہر ہوتے ہیں

فکری دہشت گرد بھی سوشل میڈیا پر متحرک رہتے ہیں، انتہا پسندانہ جذبات کو فروغ دینے والے یہ گروہ سوشل میڈیا کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں

اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، اصولِ دین، فلسفہ میں اعلیٰ درجے کی اِسناد اور اجازات حاصل کیں۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری ورلڈ اکنامک فورم، واشنگٹن ڈی سی، کینیڈا، UK، پیرس، ڈنمارک، اوسلو، نیدرلینڈ، جرمنی، بارسلونا، اٹلی، یونان، آسٹریلیا، مشرقی ایشیاء، انڈونیشیا، کوالالمپور، سنگاپور، ساؤتھ کوریا، منیلا، بنگلہ دیش، ایران اور اردن میں ''اسلام اور عصری چیلنجز''، ''تصوف''، ''عالمی معیشت''، ''اخلاقی اقدار''، ''قرآن اور نظام حکومت''، ''بین المذاہب رواداری''، ''انتہاپسندی کے تدارک'' کے موضوعات پر مقالہ جات پیش کر چکے ہیں۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی کئی کتب طبع ہو چکی ہیں اور اردو اور انگریزی میں ایک درجن سے زائد کتب زیرِ طبع ہیں۔

یہ بات لائقِ تحسین اور باعث افتخار ہے کہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے سوشل میڈیا کی اخلاقیات اور اس کی تاریخ اور اقسام پر ایک جامع کتاب تحریر کی ہے جو جلد زیور طباعت سے آراستہ ہو گی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنی اس انتہائی اہم موضوع پر لکھی جانے والی کتاب میں سوشل میڈیا کی تاریخ، سوشل میڈیا کے ٹولز، سوشل میڈیا کے حوالے سے عالمی میڈیا ایکسپرٹس کی آراء، اس کے استعمال کی ضرورت و اہمیت، اس کی افادیت اور اس کے استعمال کے سوسائٹی پر مرتب ہونے والے اثرات و نتائج کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبصورتی اور افادیت یہ ہے کہ سوشل میڈیا کے استعمال اور اس کی اخلاقیات کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے۔ اس موضوع پر اتنی دقیق اور ضخیم کتاب اس سے پہلے ہمیں مارکیٹ میں نظر نہیں آتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے شائع ہونے پر اس کے شایان شان اس کی تقریب رونمائی کی جائے گی اور یہ کتاب نوجوانوں کے لئے بیش قیمت سرمایہ ثابت ہو گی۔ ❁❁❁❁❁

مولائے روم، حکیم الامت اور شیخ الاسلام

تینوں شخصیات کی زندگیاں تاجدار کائنات ﷺ کے عشق سے معمور نظر آتی ہیں

تینوں شخصیات کے ہاں اُمت کے زوال کا موضوع بنیادی مسئلہ کے طور پر زیر بحث رہا ہے

رپورٹ: قاضی فیض الاسلام

گزشتہ ماہ ایوانِ اقبال لاہور میں جنگ گروپ کے مذہبی ونگ اور مجلسِ رومی و اقبال کے زیر اہتمام ''مولائے روم، حکیم الامت اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری'' کے عنوان سے ایک پُروقار کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ملک کے نامور دانشور، تجزیہ ہائے نگار، صحافی، اساتذہ اور اہلِ علم نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی خطاب فرمایا۔ ذیل میں اس پروگرام کی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اہل اللہ اور صوفیائے کرام کے نزدیک تعلق بالرسول ﷺ کے تین درجات ہیں:

۱۔ صوفیا بتاتے ہیں کہ ایک اُمتی کا اپنے آقا سے اعتقادی تعلق ہوتا ہے یعنی انسان کا دل تصدیق اور زبان اقرار کرتی ہے کہ وہ آقا ﷺ کا اُمتی ہے۔ اعتقادی تعلق بنیادی اور ابتدائی درجے کا ہے۔ یہ اعتقادی تعلق کوئی بھی اُمتی اپنے آقا ﷺ کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ اگر یہ ابتدائی درجے کا تعلق بھی نہیں ہو گا تو پھر اُمتی ہونے کے کسی اور دعویٰ کی کوئی حیثیت باقی نہیں بچتی۔

۲۔ جب انسان اعتقادی تعلق کے اس پہلے درجے کو عبور کر لیتا ہے تو پھر اُسے دوسرا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ اس دوسرے درجے کو تعلقِ حُبی کہتے ہیں۔ پہلے درجے میں اُمتی نے اُمتی ہونے کا زبان سے اقرار کیا اور اِس اقرار کی نسبت سے وہ دین کا کچھ نہ کچھ کام بھی کر لیتا تھا یا علانیہ گمراہی میں پڑنے سے حتی المقدور بچنے کی کوشش بھی کرتا نظر آتا ہے جبکہ دوسرے درجہ تعلقِ حبی میں وہ اُمتی ہونے کے اقرار کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے ادب و احترام کو بھی خود پر لازم ٹھہراتا ہے۔ جب آقا ﷺ کا اسم مبارک سنتا ہے تو اس کا دل ادب سے جھک جاتا ہے۔ اُس کی نگاہیں بھیگ جاتی ہیں، آقا ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ اُس کی ایک وابستگی قائم ہو جاتی ہے اور وہ آقا ﷺ کے ذکر کو ذوق وشوق سے سنتا ہے۔

۳۔ جب یہ ادب و احترام اور تعظیم کا تعلق مزید مستحکم ہوجاتا ہے تو پھر اُسے تیسرے درجے میں تعلقِ عشقی عطا ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے دل کی ہر خواہش آقا ﷺ پر فدا ہوجانا ہوتی ہے۔ پھر اُس کی ہر نسبت آقا ﷺ کی نسبت پر قربان ہو جاتی ہے یعنی پہلے اُس نے دل سے اقرار کیا، پھر اُس کے بعد اُس بارگاہ کے ادب و احترام کو اپنے اوپر لازم کیا اور اس ادب وتعظیم کے صدقے اُسے عشق کی دولت عطا ہوئی اور پھر اُس نے اپنے آپ کو اتباع رسول ﷺ میں فنا کر لیا۔

فناء فی الرسول ﷺ شخصیات

زیرِ بحث موضوع میں ہم جن تین شخصیات؛ محمد جلال الدین رومی، محمد اقبال اور محمد طاہر القادری کا تذکرہ کررہے ہیں۔ اِن تینوں شخصیات کے اسماء کا آغاز محمد سے ہوتا ہے اور ان تینوں شخصیات کا حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عشق اور سیرت

طیبہ کے ساتھ والہانہ وابستگی ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ تینوں شخصیات فنا فی الرسول ﷺ ہیں:

۱۔ مولانا رومؒ کی ساری زندگی تاجدار کائنات ﷺ کے عشق سے جڑی نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنی مثنوی میں مختلف النوع حکایات کے ذریعے اُمت کو باور کروایا کہ زوال اور مشکلات کی بڑی وجہ آپ ﷺ کے ساتھ کمزور تعلق ہے۔ مولائے روم نے تعلق بالرسول ﷺ کی اہمیت اور ناگزیریت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اگر مشکلات سے نکلنا اور عزت پانا چاہتے ہو تو اپنے دلوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت کے چراغ روشن کرو، ورنہ مسائل اور مشکلات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی ہستیاں صدیاں گزرنے کے باجود زندہ رہتی ہیں کیونکہ حیات بخش اوصاف کے حامل اپنی خدمت کی وجہ سے ہر دور اور ہر ماحول میں زندہ رہتے ہیں

۲۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے سارے اشعار عشق مصطفیٰ ﷺ کے خوشبوؤں میں گندھے ہوئے ہیں اور ان کی اردو و فارسی شاعری کا ایک بڑا حصہ تعلقِ بالرسول ﷺ اور حبِ رسول ﷺ پر مبنی ہے۔ اقبالؒ کے ہاں تعلقِ عشقی میں ادب و احترام کا یہ مقام ہے کہ اقبال اپنا سب کچھ آقا ﷺ کی ذات کو قرار دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی... کشتی و دریا و طوفانم توئی

میرا ذکر، میری فکر، میرا علم، میری کشتی، میرا دریا اور میرا طوفان بھی آپ ﷺ ہیں۔ یعنی ایک محبّ اپنے محبوب کی نسبت پر اپنی ہر نسبت قربان کر رہا ہے۔ تعلقِ عشقی کا طوفان محبّ کو کبھی چین نہیں لینے دیتا اور یہ طوفان اُسے ہر وقت کریم آقا ﷺ کی مبارک سنتوں، تعلیمات، احکامات اور ہدایات پر آمادۂ عمل رکھتا ہے۔

۳۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو اللہ تعالیٰ نے مجددانہ مقام عطا کیا ہے جس کی وجہ سے آپ نے 8 جلدوں اور 5 ہزار سے زائد موضوعات پر مشتمل قرآنک انسائیکلوپیڈیا تالیف فرما دیا۔ حدیث مبارکہ کی کتب کا ایسا ذخیرہ جمع کر دیا جس نے اسلاف کی دم توڑتی ہوئی علمی و ادبی اقدار کا احیاء کیا۔ آپ نے ایمانیات، اسلامیات، عقائد، فقہ کے موضوعات پر سیکڑوں کتب تحریر فرما دیں اور تعلقِ عشقی کا یہ مقام عظیم الشان تعلیمی، تالیفی و تصنیفی سفر کی صورت میں جاری و ساری ہے۔

خضرِ عصر شخصیات

شیخ الاسلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ خضر سے مراد حیات ہے، سیدنا خضرؑ کا وجود حیات بخش ہے کیونکہ وہ جس آب و ہوا میں رہتے تھے، اُس آب و ہوا میں داخل ہونے والا زندہ ہو جاتا تھا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ تاریخ میں بہت سارے صوفیائے کرام، درویش، کاملین، جید علماء و محدثین گزرے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر کسی کا نام عرب و عجم میں نہیں گونجا کچھ ہستیاں ایک خاص خطے میں معتبر ہیں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنے علم میں کامل و اکمل نہیں تھیں۔ مگر تاریخ میں چار شخصیات ایسی گزر ہیں جن کے علم کا شہرہ شرق و غرب میں یکساں ہے۔ جن کو جتنی پذیرائی مشرق میں ملی، مغرب میں بھی اتنی ہی پذیرائی انہیں حاصل ہوئی۔ ان چار شخصیات کو میں خضرِ عصر کہتا ہوں، ان میں: امام غزالیؒ، شیخ محی الدین ابن العربیؒ، مولائے رومؒ اور حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ شامل ہیں۔

یہ شخصیات خضرِ عصر کیوں؟ اس کے لیے اگر ہم حضرت خضر ﷺ کے ایک خاص وصف پر غور کریں تو یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ حضرت خضر ﷺ حیات بخش الوہی اوصاف کے حامل تھے، اس کی دلیل آپ کی موجودگی والی جگہ پر آپ کے وجود کے سبب مچھلی کا زندہ ہو جانا ہے۔ اسی طرح کسی حیات بخش اوصاف کی حامل شخصیت کی محفل میں آنے والے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ ہم ان مذکورہ ہستیوں کی کتب پڑھ لیں یا خطاب سن لیں تو فکر و نظر کے زاویے بدل جاتے ہیں اور ان کی صحبت میں مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ افکارِ تازہ مردہ دل کی حیات

ہیں۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے اشعار اور افکار کے ذریعے مردہ اور سوئی ہوئی قوم کو زندگی کا شعور دیا۔ قوم کے دل میں اپنے ہونے کا احساس جگایا، مایوسی کو امید میں تبدیل کیا، کمزوروں کو مردِ آہن کے احساس سے قوی کر دیا۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان سویا ہوا تھا۔ ایک ہستی نے قائداعظم کو خط لکھ کر ہندوستان بلوایا اور پھر اُس ہستی کی آمد سے ہندوستان کے درودیوار آزادی کے نعرے سے گونجنے لگے۔ خط لکھنے والی وہ ہستی حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کی تھی۔

مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی ہستیاں صدیاں گزرنے کے باجوود زندہ رہتی ہیں کیونکہ حیات بخش اوصاف کے حامل اپنی خدمت کی وجہ سے ہر دور اور ہر ماحول میں زندہ رہتے ہیں۔

اسی طرح مولائے روم نے عشق کی چنگاری کے ساتھ مردہ دلوں کو زندگی عطا کی۔

شیخ الاسلام نے چار ہستیوں کی نشاندہی فرمائی مگر میں آج ایک پانچویں ہستی کو ان کے ساتھ جوڑتا ہوں۔ وہ ہستی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہے۔ اگر آج ہم شیخ الاسلام کا ذکر کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی تقریر اور تحریر نے ہزاروں، لاکھوں کی زندگیاں بدل دیں، ان کی سوچوں کے دھارے بدل دیئے۔۔۔ عقائد و افکار کی پژمردگی کے اس دور میں شیخ الاسلام نے جہالت کے اندھیروں کو روشنی کی کرنیں عطا کیں، دلوں کو عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع سے روشن کیا۔۔۔ اور جو دین سے دور اور بیزار ہو گئے تھے ان کے دلوں میں پھر سے دین کی جوت جگادی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ایک ایسی شخصیت ہیں جنہیں شرق و غرب، عرب و عجم میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام پر اس وقت 17 پی ایچ ڈیز ہو چکی ہیں۔ امریکن یونیورسٹی میں ایک انگریز سکالر نے منہاج القرآن کی ایڈمنسٹریشن پر پی ایچ ڈی مکمل کی ہے۔ منہاج القرآن کی ورکنگ اور اس کا نظم شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی فکر کا ایک پرتو ہے۔ منہاج القرآن کے اندر ایک جہان آباد ہے جو کئی براعظموں کے باسیوں کو علم و فکر کی روشنائی فراہم کر رہا ہے۔ انتہا پسندی اور دہشت گردی کے حوالے سے شیخ الاسلام کے امن بیانیہ پر کئی پی ایچ ڈیز ہو چکی ہیں۔ پہلی بار دنیا کو بتایا گیا کہ اسلام انتہا پسندی نہیں بلکہ امن و سلامتی کا دین ہے اور اس موضوع پر قرآن و سنت کے حوالہ جات کے انبار لگا دیئے گئے۔ آج مختلف ممالک کے سربراہان بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام کا رشتہ انتہا پسندی سے جوڑنا درست نہیں ہے۔ مغرب میں بعض نصابی مقام رکھنے والی کتب میں شیخ الاسلام کی امن فلاسفی کے متعدد ابواب شامل کئے گئے ہیں۔

مولانا روم، اقبال اور شیخ الاسلام میں قدر ہائے مشترک

جب ہم ان تینوں (مولانا روم، علامہ اقبال، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری) شخصیات پر بات کرتے ہیں تو ان کے بہت سارے شخصی اوصاف میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند مشترک اقدار کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ مرض کی تشخیص اور علاج

یہ ہستیاں فنا فی الرسول ﷺ تھیں، یہ اپنے اپنے عہد کے فکری نبض شناس تھے، انہوں نے نہ صرف امت کے زوال کی وجوہات کی نشاندہی کی بلکہ محبت و اتباع رسول ﷺ کی صورت میں علاج بھی تجویز کیا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی شخصیت کا کسی اہم کام کے لئے انتخاب فرماتا ہے تو اُن شخصیات کے اندر مطلوبہ خصوصیات بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ تینوں شخصیات کے ہاں اُمتِ مسلمہ کے زوال کا موضوع ایک بنیادی مسئلہ کے طور پر زیر بحث رہا ہے۔ تینوں شخصیات کے ہاں اُمت کے زوال کی بحث کے ضمن میں ایک متفقہ سوچ پائی جاتی ہے کہ مصطفوی تعلیمات سے دوری اور حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کے رشتے کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے اُمت پر تباہی و بربادی مسلط ہوئی اور اُمت خرافات میں پھنس کر رہ گئی۔

۲۔ اسلاف کے ادوار کی تلاش میں سرگرداں

ان شخصیات کے ہاں فکری توسع تھا اور سب سے بڑھ کر

یہ کہ ان تینوں ہستیوں کی زبان پر یہ الفاظ بھی مشترک ہیں کہ ہم اپنے دور سے ٹوٹے ہوئے اور اکیلے ہیں۔ حضرت مولائے رومؒ کی کتابیں پڑھیں تو وہ لکھتے ہیں کہ ہم کسی اور دور کے باسی تھے مگر کسی اور دور میں جی رہے ہیں۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے محترم محمد حسین ارشی سے تصوف کے متعلق بعض امور زیر بحث لاتے ہوئے ایک جملہ ادا فرمایا کہ ہم آج اس دور میں ہیں کہ جس دور میں کوئی محبت اور تصوف کے ذکر کو سمجھنے والا نہیں ہے۔ اس خطے کے مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ اب یہاں راز و نیاز کو سمجھنے والا کوئی پیدا نہیں ہو رہا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بھی متعدد بار اس سوچ کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انتہا پسندی کی کوکھ سے فتوے جنم لینے لگیں تو پھر اہلِ علم خود کو تنہا محسوس کرنے لگتے ہیں۔

۳۔ حاملینِ توازن و اعتدال

تینوں شخصیات کے ہاں ایک خاص Acceptance Level اور اعتدال نظر آتا ہے۔ یہ شخصی اوصاف تینوں شخصیات کے ہاں کمال درجہ کے پائے جاتے ہیں۔ حضرت مولائے روم کے حوالے سے ایک بات کہی جاتی تھی کہ آپ دوسرے مذاہب کے متعلق کہتے تھے کہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور میں سب سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر وقت کے علماء جھگڑا کرتے تھے، آپ جھگڑا کرنے والوں سے بھی کوئی جھگڑا نہیں کرتے تھے اور ہر جھگڑے کے اختتام پر کہتے تھے کہ مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔

اسی طرح حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ اہلِ علم حضرات کی تعریف کیا کرتے تھے۔ خواہ وہ مغرب کے عیسائی ہوں یا کسی بھی فکر کے افراد۔ حکیم الامت اپنے عیسائی اساتذہ کا بڑے ادب و احترام کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ علم کی ایک تعریف ہی یہ ہے کہ وہ فکر و نظر کی تنگی کو دور اور برداشت کے لیول کو بڑھا دیتا ہے۔

یہی شیخ الاسلام کی شخصیت ہے۔ آپ 80ء کی دہائی میں بین المذاہب رواداری کی بات کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا کہ لوگوں کو اس فلاسفی کی سمجھ نہیں آتی تھی اور وہ بدگمان ہوتے تھے مگر آپ کبھی کسی سے بدگمان نہیں ہوئے۔ شیخ الاسلام جھگڑا کرنے والوں سے قطع نظر تحریک منہاج القرآن کو دنیا کے 7 براعظموں تک لے گئے۔ آج منہاج القرآن کے ایک معتبر تعلیمی انسٹی ٹیوشن منہاج یونیورسٹی لاہور میں بین المذاہب رواداری کا یہ عالم ہے کہ یہاں تقابلِ ادیان کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں اور ڈگری پروگرامز شروع کیے گئے ہیں۔ ہر

رومی اور اقبالؒ نے سمجھایا کہ اس قوم کی بقاء اللہ کی کتاب اور حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت میں ہے۔ اگر ہم منہاج القرآن کی جدوجہد کو دیکھیں تو یہاں بھی قرآن اور نسبتِ مصطفیٰ سے تمسک کا درس نظر آتا ہے

مذہب کے طلبہ و طالبات بخوشی داخلہ لیتے اور اپنی تعلیم مکمل کرتے ہیں کیونکہ منہاج یونیورسٹی میں سب کو مساوی تعلیمی، تحقیقی ماحول میسر ہے اور یہاں فکر و نظر کی تنگی نہیں ہے۔ طلبہ کو مذہب، کلچر، ثقافت سے بالاتر علم و تحقیق کا ماحول مہیا کیا گیا ہے۔

۴۔ فکر و نظر میں تحرک

اِسی طرح جن شخصیات کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ فکر و نظر میں جامد نہیں بلکہ متحرک تھیں۔ تینوں شخصیات نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو ایک مختلف انداز میں سمجھا اور پھر عامۃ الناس کو اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔ مولائے روم کا تصورِ عشق، حکیم الامت کا تصورِ خودی اور شیخ الاسلام کا تصورِ روح ساکت و جامد نہیں بلکہ متحرک ہے۔ تینوں شخصیات کا عشق مایوسی کو امید کی طرف لے جاتا ہے اور سرنگ کی دوسری طرف روشنی دکھاتا ہے۔ ان شخصیات کی فکر جنون نہیں بلکہ علوم و فنون ہے۔ ان شخصیات کا عشق دل میں انقلاب کی شمع روشن کرتا ہے۔

دیگر مہمانانِ گرامی کا اظہارِ خیال

☆ پروگرام میں ''مجلسِ رومی و اقبال'' کے آرگنائزر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں

ایک ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جنہیں میں وقت کا مولائے روم سمجھتا ہوں۔ میری مراد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ہیں۔ پاکستان سمیت دنیا بھر میں دیکھیں تو ہمیں ایسا ایک شخص بھی نظر نہیں آئے گا کہ جس پر مسلک کی چھاپ نہیں ہے جبکہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی شخصیت ایسی شخصیت ہے جنہوں نے ایسا نعرہ بلند کیا جن پر کسی مسلک کی کوئی چھاپ نہیں ہے بلکہ انہوں نے محبت، یگانگت، اخوت، بھائی چارہ اور حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے فکر کے مطابق علم بلند کر رکھا ہے۔

☆ کانفرنس سے محترم ڈاکٹر طاہر حمید تنولی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو جو پیغام ہے، یہ وہی پیغام ہے جو اقبالؒ نے اس قوم تک پہنچایا اور یہ وہی پیغام ہے جو مولانا روم نے دیا۔ اقبال فرماتے ہیں جس قافلہ شوق کی قیادت رومی کر رہے ہیں، میں اس قافلہ شوق کا حصہ ہوں۔ ہر چیز کی ایک اصل ہوتی ہے جس سے اس چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی جدوجہد اور ان کے پس منظر کو دیکھیں تو وہ آپ کو مولانا روم کے سرچشمے سے جڑا ہوا نظر آئے گا۔ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ اس زمانے کے فتنوں کا جواب رومی نے دیا تھا اور آج کے دور کے فتنوں کا جواب میں دے رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آج کے فتنوں اور چیلنجز کو دیکھا جائے تو اس کا جواب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دے رہے ہیں۔ رومی اور اقبالؒ نے سمجھایا کہ اس قوم کی بقاء اللہ کی کتاب اور حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت میں ہے۔ اگر ہم منہاج القرآن کی جدوجہد کو دیکھیں تو یہاں بھی قرآن اور نسبتِ مصطفیٰ سے تمسک کا درس نظر آتا ہے۔

تحریک منہاج القرآن مسلم دنیا کی سب سے کم عمر اور سب سے زیادہ نفوذ پذیر ہونے والی تحریک ہے۔ منہاج القرآن کے بعد آپ کو کوئی ایسی تحریک اٹھتی نظر نہیں آئے گی جس نے ملت کو اتنا متاثر کیا ہو۔ یہ اعزاز منہاج القرآن کے پاس ہے۔ یہ قرآن پر یقین کا فیضان ہے، حضور نبی اکرم ﷺ

مولائے روم کا تصورِ عشق، اقبال کا تصورِ خودی اور شیخ الاسلام کا تصورِ روح ساکت و جامد نہیں بلکہ متحرک ہے۔ ان شخصیات کی فکر جنون نہیں بلکہ علوم و فنون ہے

کی نسبت کا فیضان ہے۔ یہ طریقِ صوفیاء کی برکت ہے۔ اقبالؒ نے اسی کو قافلہ شوق کا نام دیا ہے۔

☆ محترم ڈاکٹر فخر الحق نوری نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مولانا روم، علامہ محمد اقبال، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ان تینوں کے در عشق رسول ﷺ کی طرف کھلتے ہیں۔ آج ہماری قوم کو اسی جذبے کی ضرورت ہے جس جذبے کا اظہار رومی کے ہاں بھی ہوا، اقبالؒ کے ہاں بھی ہوا اور ڈاکٹر طاہرا لقادری کے ہاں بھی ہو رہا ہے۔ اقبالؒ اور رومی نے محض شاعری نہیں کی بلکہ قرآن کا پیغام اور صاحبِ قرآن کے پیغام کو شعر کا روپ دیا ہے۔ اقبالؒ اپنے شعر کے ذریعے بتاتے ہیں کہ کل میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو شہر کے گرد گھوم رہا تھا اور ہاتھ میں چراغ تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرا دل جانوروں کو دیکھ کر ملول ہے اور مجھے کسی انسان کی آرزو ہے۔ اقبالؒ اور رومی کو قحط رجال کا احساس ہوا اور دونوں نے اپنے اپنے انداز میں بات کی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ ابھی دجلہ اور فرات موجود ہیں مگر ایک بھی حسین ؓ دکھائی نہیں دیتا۔ جس طرح رومی نے کہا علیؓ دکھائی نہیں دیتا تو اقبالؒ نے کہا حسین ؓ دکھائی نہیں دیتا۔ اس قحط رجال کا علاج اقبالؒ اور رومی نے خود ہی دریافت کیا۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ تین سو سال سے ہندوستان کے میخانے بند ہیں، ضرورت ہے کہ اب تیرا فیض عام ہو۔ یہ فیض تین سو سال کے بعد جاری ہوا اور اسی کا تسلسل شیخ الاسلام ہیں۔

☆ تقریب سے معروف صحافی و تجزیہ نگار محترم قیوم نظامی، محترمہ صوفیہ بیدار، محترم ڈاکٹر جاوید یونس، محترم ڈاکٹر علی محمد اور محترم سید یاور عباس بخاری نے بھی خطاب کیا۔

❁❁❁❁❁

فضائل و مناقبِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام اور دیگر موضوعات پر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی ایمان افروز علمی و تحقیقی کتب

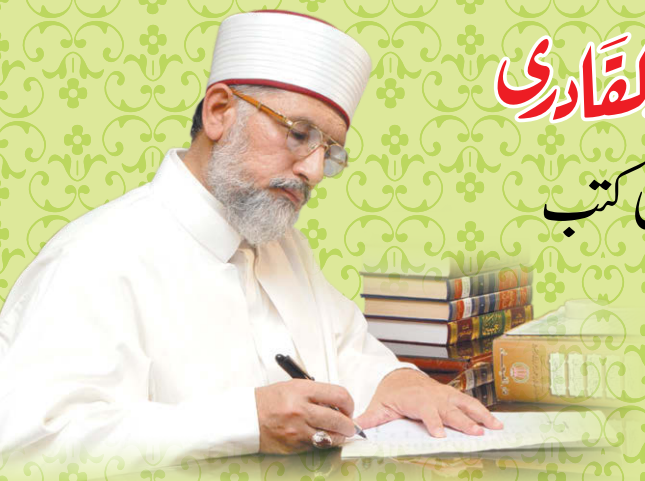

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
AUG-2022
LAHORE
Regd CPL No.41

Minhaj University Lahore

Minhaj University Lahore has
GREEN CAMPUS with recognition of
UI GREEN METRIC WORLD RANKING for
SUSTAINABLE INFRASTRUCTURE

ADMISSIONS OPEN FALL 2022

ADP | BS | LLB | MBA | MS/M.PHIL | Ph.D

Candidates with 2-Years BA/BSc/ADP can Apply for Admission in BS 5th Semester

APPLY ONLINE https://admission.mul.edu.pk/

MORNING

ADP PROGRAMS

- Computer Science
- Computer Networking
- Web Design & Development
- Double Math & Physics
- Botany, Zoology & Chemistry
- Islamic Banking & Finance
- Human Resource Management
- Business Administration
- Accounting & Finance
- Commerce
- Mass Communication
- Education
- Arts
- English

BS PROGRAMS

- Computer Science
- Information Technology
- Software Engineering
- Chemistry
- Physics
- Botany
- Zoology
- Mathematics
- Statistics
- Economics
- Accounting & Finance
- B.Com (4 Years)
- BBA
- Islamic Banking & Finance
- Mass Communication
- Library & Information Science
- Political Science
- Sociology
- International Relations
- Education
- History
- Pak Studies
- Peace & Conflict Studies

LLB (5 Years)

- English
- Urdu
- Chemical Engineering
- Electrical Engineering
- Human Nutrition & Dietetics
- Medical Lab Technology
- Microbiology
- Molecular Biology
- Food Science & Technology
- Biochemistry
- Biotechnology

WEEKEND

MS/M.PHIL/MBA PROGRAMS

- Computer Science
- Chemistry
- Physics
- Botany
- Zoology
- Mathematics
- Statistics
- Economics
- Accounting & Finance
- Management Sciences
- MBA (Professional)
- MBA (Executive)
- Islamic Banking & Finance
- Mass Communication
- Library & Information Science
- Political Science
- Sociology
- International Relations
- Theology & Religious Studies
- Peace & Counter Terrorism Studies
- Education
- History
- Pak Studies
- Criminology & Criminal Justice System
- English (Linguistics)
- English (Literature)
- Urdu
- Clinical Nutrition
- Food Science & Technology
- Biochemistry

Ph.D PROGRAMS

- Mathematics
- Economics
- Islamic Economics & Finance
- Library & Information Science
- International Relations
- Political Science
- Education
- Urdu

Scan QR Code

Main Campus, Madar-e-Millat Road, Near Hamdard Chowk, Township, Lahore.
www.mul.edu.pk
admissions@mul.edu.pk
MinhajUniversityLahore
officialMUL

Universal Access Number (UAN)
03 111 222 685
MUL Exchange
+92 042 35145621-4 Ext: 320, 321